Monthly : 35/-
Yearly : 350/-

ماہنامہ اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

حیرت انگیز ردّ رافضیت

اعلیٰ حضرت کی عمر کا ۱۴ رواں سال تھا کہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے، ان کی خواہش ہے کہ حضور امام باڑے کا تاریخی نام تجویز فرمادیں تاکہ امام باڑے کے دروازے پر لکھوا دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ عریضہ سن کر فی البدیہ اور تنقید آمیز تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

''ان سے کہیے امام باڑے کا نام ''بدر رفض'' ۱۲۸۶ھ رکھیں''۔

(یہ سوال ۱۲۸۶ھ میں کیا گیا تھا اس لیے آپ نے اس کا یہ عدد نکالا) اس جواب کو سن کر وہ صاحب بولے اصل میں امام باڑہ سال گذشتہ ہی تیار ہو گیا تھا، ان کا مقصد تھا کہ اعلیٰ حضرت کوئی دوسرا مادۂ تاریخ تجویز فرمائیں جس میں لفظ ''رفض'' نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً ہی فرمایا:

''تو ''دار رفض'' ۱۲۸۵ھ رکھیں''۔ یہ سن کر وہ صاحب چپ ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولے کہ اس کی ابتدا ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی اس لیے اسی سال کا تاریخی نام زیادہ مناسب ہوگا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا تو ''در رفض'' 1284ھ رکھ لیں''۔

(حیات اعلیٰ حضرت، صفحہ نمبر ۳۰۹)

خوان مضامین

۱۔ سرزمین بریلی شریف کی چند بزرگ ہستیاں
۲۔ دور حاضر میں شادی سے متعلق رجحانات
۳۔ اسوۂ رسول کے تابندہ نقوش
۴۔ سید منور علی شاہ قادری۔ حیات وخدمات کے چند گوشے
۵۔ دلاور جنگ مولانا شاہ احمد اللہ قادری مدراسی کی مجاہدانہ سرگرمیاں
۶۔ جرأت وحق گوئی کے دو حسین استعارے
۷۔ دیوبندی وہابی مولویوں کا مناظرے سے فرار
۸۔ یزید کی بیعت نہ کرنے کے دوررس اثرات
۹۔ امام احمد رضا کے تجدیدی واصحابی کارنامے
۱۰۔ الولایۃ افضل من النبوۃ کا درست مفہوم
۱۱۔ سید ابراہیم ملک بیا غازی۔ حالات ومناقب
۱۲۔ تہذیب ہند پر اسلام کے انمٹ نقوش

گوشہ ادارت

۱۔ کلام الامام امام الکلام
۲۔ پیغام
۳۔ سرزمین عرب کا بدلتا منظر نامہ

مستقل کالم

۱۔ باب التفسیر
۲۔ باب الحدیث
۳۔ فتاویٰ منظر اسلام

مدیر اعلیٰ
(مولانا) محمد سبحان رضا خاں ''سبحانی میاں''

ذیقعدہ / ذی الحجہ | ۱۴۴۵ھ
جون، جولائی | ۲۰۲۴ء

ایک اہم پیغام

حامداً ومصلیاً و مسلماً!

اللہ کالاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے ہمیں امت مسلمہ میں پیدا کیا اور ہمیں ماانا علیہ واصحابی کی شاہراہ حق وصداقت اور راہ نجات پر گامزن رکھا۔ ہمارے ذہن ودماغ کو عقائد اہل سنت کی تقدس مآب روشنی سے جگمگ فرمایا اور ہمارے وجود کو معمولات اہل سنت پر عمل کرنے کی خوشبو سے معطر کیا۔ اللہ رب العزت نے فضل فرماتے ہوئے ہمیں عشق رسول کی دولت سے مالا مال فرمایا اور آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کو ہمارے لیے ''نجوم ہدایت'' اپنی عترت پاک اور اپنے اہل بیت اطہار کو ہم سب کے لیے ''سفینۂ نجات'' بنایا جس کی وجہ سے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کا بیڑا ان شاء اللہ ضرور پار لگے گا۔ ہمیں اپنی خوش نصیبی پر ناز ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اسلاف کرام اور مشائخ اہل سنت کے دامنوں سے وابستہ فرمایا۔ بلاشبہ یہ ایمانی دولت اور خوش عقیدگی کی یہ نعمت بہت بیش قیمتی ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کرنا ہم سب کا ایک اہم فرض ہے۔ ہمیں ہمہ وقت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کس طرح ہمیں اپنے ایمان وعقیدہ کو محفوظ کرنا ہے؟ اس کا علم رکھنا ضروری ہے۔ آج کے اس پُرفتن دور میں طرح طرح سے دشمنان اسلام ہمارے جذبۂ ایمانی اور ہماری مذہبی شناخت کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ حاسدین مذہب ومسلک ہماری خوش عقیدگی کو بدعقیدگی میں بدلنے، ہمیں ما انا علیہ واصحابی کے کامیاب ترین راستے سے بھٹکا کر اللہ ورسول اور صحابۂ کرام کا گستاخ وبے ادب نیز اسلاف وامت کا باغی بنانے میں جی توڑ کوشش کررہے ہیں۔

ایرانی دولت کی بنیاد پر آج برصغیر میں ایک طبقہ اہل سنت وجماعت کو بالکلیہ رافضی تو نہیں البتہ نیم رافضی اور کم از کم تفضیلی بنانے کی تحریک نہایت تیزی کے ساتھ چلا رہا ہے۔ افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج نہایت ہی شاطرانہ انداز میں اس رافضی طبقہ نے اس کام کے لیے ماضی قریب کے ہمارے اکابر اہل سنت سے بغض وحسد رکھنے والے کچھ اہل خانقاہ کو اپنا ایجنٹ بنالیا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی رافضی شناخت رکھنے والا، اہل سنت وجماعت کے کسی سمجھدار فرد کو براہ راست نہ تو اپنے سے قریب کرسکتا ہے اور نہ ہی اسے اپنے جال میں پھنسا سکتا ہے۔ اس لیے مال وزر کا لالچ دے کر اس رافضی طبقہ نے ہمارے ہی گھر سے کچھ افراد کا انتخاب کیا ہے۔ آج تیزی کے ساتھ یہ طبقہ اپنے ہی سنی بھائیوں کو رافضیت اور تفضیلیت کے معمولات پر گامزن کررہا ہے۔ کبھی ''مشاجرات صحابۂ کرام'' میں انہیں الجھا کر ان سے بدظن کرتا ہے تو کبھی ''عید غدیر'' منانے کی انہیں ترغیب دیتا ہے۔ کبھی ان پر اپنے نام کے ساتھ ''مولائی'' لکھنے کا زور ڈالتا ہے تو کبھی تعزیہ داری، نوحہ خوانی، علَم وجریدوں کے جلوس نکالنے، عزاداری کی رسم ادا کرنے اور امام باڑوں میں جانے پر زور دیتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں رافضیت وتفضیلیت کی یہ بلا ووبا سوشل میڈیا کے ذریعہ پڑوسی ملک پاکستان سے سیلاب کی طرح آرہی ہے۔ اس بلا ووبا کے سیلاب پر بند باندھنا بہت ضروری ہے۔ ہماری جماعت کے علماء ومشائخ اور ارباب خانقاہ کو اب اس سلسلہ میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ ہم سب کو مذہب اہل سنت پر قائم رکھے اور ہم سب کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خادم مرکز اہل سنت، خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY
(M) 9319623609, 9548699364

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: امام اہلسنت، مجدد دین وملت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ العزیز

ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

بفیض روحانی
حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ
محمد حامد رضا قادری
علیہ الرحمہ

بانی رسالہ
مفسر اعظم حضرت علامہ
محمد ابراہیم رضا قادری
''جیلانی میاں'' علیہ الرحمہ

سرپرست روحانی
احسن العلماء حضرت علامہ
سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں
علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

بفیض کرم
مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ
محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
علیہ الرحمہ

زیر سایۂ کرم
ریحان ملت حضرت علامہ شاہ
محمد ریحان رضا نوری قادری
علیہ الرحمہ

جلد نمبر ۶۴ / شمارہ نمبر ۶، ۷

ذیقعدہ/ ذی الحجہ ۱۴۴۵ھ
جون، جولائی ۲۰۲۴ء
June, July 2024

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا قادری ''سبحانی میاں'' مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

نائب مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج
محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

مجلس مشاورت

حضرت مفتی محمد شمیم اشرف ازہری خطیب اعظم ماریشس
حضرت مولانا ازہر القادری صاحب لندن
حضرت مولانا صفی احمد صاحب رضوی انگلینڈ
حضرت مولانا محمد فروغ القادری صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا محمد محسن صاحب انگلینڈ

حضرت مولانا محمد مسعود خوشتر صاحب ماریشس
حضرت مولانا عبد الجبار صاحب رحمانی پاکستان
حضرت مولانا قاری غلام محی الدین صاحب انگلینڈ
عالی جناب محترم طارق بھٹی صاحب موریشس
عالی جناب الحاج نوشاد علی جواتا، ماریشس

مجلس ادارت

مدیر	حضرت علامہ قاری عبد الرحمٰن خان قادری بریلوی
مدیر اعزازی	حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی
مدیر معاون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری
مرتب	حضرت مفتی محمد انور علی رضوی بہرائچی
تزئین کار	جناب ماسٹر محمد زبیر رضا خاں بریلوی
کمپوزنگ	جناب مرزا توحید بیگ رضوی

کلام الامام - امام الکلام

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا
ملک خادمان سرائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد
عجب کیا اگر رحم فرما لے ہم پر
خدائے محمد برائے محمد
محمد برائے جناب الٰہی
جناب الٰہی برائے محمد
دم نزع جاری ہو میری زباں پر
محمد محمد خدائے محمد
خدا اُن کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محوِ لقائے محمد
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد
اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے نکلی دعائے محمد
رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلم صدائے محمد

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت ودرستگی پر مجلس ادارت کی گہری نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی شرعی غلطی راہ پا جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ کسی قریبی شمارے میں تصحیح کردی جائیگی۔

ترسیل زر ومراسلت کا پتہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت
۸۴ / سوداگران بریلی شریف

Monthly Alahazrat
84, Saudagran, Bareilly Sharif
Pin-243003
Contact No.
(+91)-0581- 2575683,
2555624 (Fax) 2574627
(Mob) (+91)-9359103539
E-mail:mahanamaalahazrat@gmail.com
E-mail:subhanimian@yahoo.co.in

ماہنامہ اعلیٰ حضرت انٹرنیٹ پر پڑھنے کے لئے
visit us: www.aalahazrat.in

چیک یا ڈرافٹ بنام
MAHNAMA ALA HAZRAT
A/c No.
0043002100043696
Punjab National Bank Civil Lines Bareilly

ماہنامہ کی ممبری فیس یا دارالعلوم منظر اسلام کے تعاون کی رقم بھیجنے کے لئے اسے اسکین کریں۔
Scan this to Pay

زر سالانہ ممبر شپ

فی شمارہ:	35/-
زر سالانہ:	350/-
بیرون ملک:	35$ / امریکی ڈالر

کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی بریلی کورٹ ہی میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر **"مولانا سبحان رضا خاں"** نے رضا برقی پریس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اعلیٰ حضرت سوداگران بریلی شریف سے شائع کیا۔

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی تحریر یا مضمون سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

تبرکات

۱۔حیرت انگیز ردّ روافض	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ	۴۰
۲۔فتنۂ ارتداد کا انسداد	سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ	۴۶

گوشہ ادارت

۱۔کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ	۳
۲۔پیغام	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۲
۳۔سرزمین عرب کا بدلتا منظر نامہ	اداریہ از قلم مدیر اعزازی محمد سلیم بریلوی	۵

مستقل کالم

۱۔باب التفسیر	مولانا ابرار الحق رحمانی	۱۱
۲۔باب الحدیث	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۱۲
۳۔فتاویٰ منظر اسلام	حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری	۱۳

خوان مضامین

۱۔سرزمین بریلی شریف کی چند بزرگ ہستیاں	ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی	۱۴
۲۔دور حاضر میں شادی سے متعلق رجحانات	مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی	۱۸
۳۔اسوۂ رسول کے تابندہ نقوش	مولانا قمر انجم فیضی	۲۱
۴۔سید منور علی شاہ قادری۔حیات وخدمات کے چند گوشے	مفتی انور علی رضوی	۲۶
۵۔دلاور جنگ مولانا شاہ احمد اللہ قادری مدراسی کی مجاہدانہ سرگرمیاں	مولانا شہاب الدین رضوی	۳۰
۶۔جرأت وحق گوئی کے دو حسین استعارے	مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی	۴۱
۷۔دیوبندی وہابی مولویوں کا مناظرے سے فرار	میثم عباس قادری رضوی	۵۳
۸۔یزید کی بیعت نہ کرنے کے دوررس اثرات	ڈاکٹر فیض احمد چشتی	۵۷
۹۔امام احمد رضا کے تجدیدی واصحابی کارنامے	حافظ افتخار احمد قادری	۶۶
۱۰۔الولایۃ افضل من النبوۃ کا درست مفہوم	مولانا شاداب امجدی گھوسوی	۷۲
۱۱۔سید ابراہیم ملک بیا غازی۔حالات ومناقب	مولانا طارق انور مصباحی	۷۴
۱۲۔تہذیب ہند پر اسلام کے انمٹ نقوش	مولانا آصف جمیل امجدی	۸۱

منظوم کلام

۱۔منقبت امام عالی مقام	مولانا فرقان فیضی	۱۷
۲۔منقبت امام حسین	مولانا سلمان فریدی	۲۹
۳۔نعت پاک	مولانا کلیم احمد رضوی مصباحی	۵۶
۴۔منقبت	منصور محور کھیروی	۸۰

خبریں

۱۔یاد رفتگاں (قاضی غلام یٰسین رضوی بنارسی)	محمد سلیم بریلوی	۷۳

سرزمین عرب کا بدلتا منظر نامہ

اداریہ:-مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

سلطنت عثمانیہ اور مقامات مقدسہ کا اہتمام: سلطنت عثمانیہ کی جب تک جزیرۂ عرب خاص کر سرزمین حجاز مقدس پر سلطنت رہی تب تک یہاں خوش عقیدگی کی باد بہاری سے یہاں کے باشندوں اور یہاں کے مقامات مقدسہ خاص طور پر حرمین طیبین کی زیارت کو آنے والے خوش عقیدہ مسلمانوں کے مشام جاں معطر رہے۔اس دور میں ہر طرف واقع متبرک ومحترم مقامات تعظیم وتکریم کے ایمانی زیور سے آراستہ و پیراستہ نظر آتے تھے۔ ہر وہ جگہ کہ جس کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام یا اللہ کے محبوب بندوں سے تھا وہ جگہیں آباد اور شان وشوکت کا مظہر نظر آتی تھیں۔ جا بجا آثار طیبہ اور تبرکات مقدسہ کی جلوہ گری تھی۔ ہر مقدس یادگار کو نہایت ہی احترام واکرام کے ساتھ ترکوں نے سجا کر اور سنوار کر رکھا تھا۔ان مقامات مقدسہ کو کافی اہتمام کے ساتھ سلطنت عثمانیہ نے نہ صرف یہ کہ برقرار و باقی رکھا تھا بلکہ ان کی تعظیم وتکریم کے ایسے ایسے انتظامات کر رکھے تھے کہ جنہیں دیکھ کر عشق ومحبت میں سرشار وفاداران نبی کی باچھیں کھل اٹھتی تھیں۔ان کے جسم کا ایک ایک حصہ احترام واکرام میں شرابور ہو جاتا تھا۔

فن تعمیر کے دلکش نظارے: جس جگہ بھی عہد نبوی یا عہد خلفائے راشدین میں کوئی ایمانی واقعہ رونما ہوا تھا اس جگہ سلاطین عثمانیہ نے خوبصورت اور دیدہ زیب مسجدیں بنوادی تھیں تا کہ اس جگہ قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بھی بلند ہوتی رہیں اور اس ایمانی واقعہ کی یادگار بھی باقی رہے۔آنے والے اپنے تابناک اور سبق آموز ماضی سے اپنے حال کو بھی درست کریں اور اسی کی مقدس روشنی میں اپنے مستقبل کا روحانی وایمانی خاکہ بھی تیار کریں۔

جا بجا ان حضرات نے صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، امہات المومنین، تابعین کرام اور اللہ کے محبوب بندوں کی تربتوں پر خوبصورت اور دیدہ زیب مزارات مقدسہ کی تعمیر نہایت اہتمام کے ساتھ کروا رکھی تھی۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے ہر جگہ مزارات سے متصل خوبصورت اور انوکھیں انداز میں عالیشان مسجدیں، میوزیم اور لائبریریاں بھی بنوا دی تھیں۔ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وابستہ مقامات کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ محفوظ کر رکھا تھا۔ حرمین طیبین کے اندر جس جگہ سے بھی کوئی اہم تاریخ وابستہ تھی یا جس جس جگہ سے بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے مثال معجزات وکمالات کے ظہور وصدور کی نسبت وابستہ تھی اس جگہ کو ان سلاطین عثمانیہ نے اپنے بے مثال جذبۂ عشق ومحبت میں سرشار ہو کر ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک اہم یادگار بنا دیا تھا کہ جن کی زیارت کر کے اہل ایمان اپنے وجود کے اندر ایمان کی باد بہاری سرایت کرتے ہوئے محسوس کرتے تھے۔

سلطنت عثمانیہ کا سقوط اور نجدی حکومت کا قیام: سرزمین نجد میں محمد ابن عبدالوہاب کی مدد سے ۱۷۴۴ء میں محمد بن سعود نے ریاض/نجد کے قریب واقع ''دریہ'' کے نام سے مشہور ایک خطہ میں خلافت عثمانیہ سے بغاوت کرتے ہوئے اپنی ایک آزاد ریاست قائم کی جس کا نام اس نے ''امارت دریہ'' رکھا۔ یہ اس خطہ میں پہلی سعودی ریاست تھی۔ محمد ابن عبدالوہاب نے وہابی افکار ونظریات سے محمد بن سعود کی حکمرانی کے لیے راہیں ہموار کیں مگر ۱۸۰۳ء میں محمد ابن سعود کی ایک جان لیوا حملے میں موت ہوگئی جس کے بعد اس کے بیٹے سعود بن عبدالعزیز نے مزید طاقت وقوت حاصل کر کے ''حجاز مقدس'' پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اور وہ بھی سلطنت عثمانیہ سے وابستہ عشق رسول میں سرشار افراد حجاز مقدس پر حملہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے اس لیے وقتی طور پر ابن سعود نے یہاں اپنا قبضہ جما لیا۔ ۱۸۱۸ء میں ترکوں نے آل سعود کے اس جبری قبضہ سے اولاً حجاز مقدس کو آزاد کرایا اور اس کے بعد ان کی نام نہاد سعودی ریاست جو امارت دریہ کے نام سے قائم کی گئی تھی، اس کو بھی ختم کر ڈالا۔ مصری فوجی کمانڈر ابراہیم پاشا کے سامنے آخر کار عبداللہ ابن سعود نے ہتھیار ڈال دیئے جس کے بعد اسے قید کر کے ''قسطنطنیہ'' (استانبول) میں لے جا کر اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود جو عبداللہ بن سعود کا چچازاد بھائی تھا اور اس کا سر قلم کئے جانے کے واقعہ کے بعد سے جو دریہ سے فرار ہو گیا تھا۔ اس نے آل سعود خاندان کے کئی افراد کے ساتھ صحرائی خطہ میں واقع ایک قبیلہ کے اندر پناہ لی۔ پھر صحرائی ہتھیار بند ڈاکوؤں کی مدد سے ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے کچھ طاقت وقوت حاصل کر کے ۱۸۲۳ء میں ترکی اور مصر کے خلاف جنگ شروع کر دی اور آخر کار ریاض اور دریہ پر دوبارہ قبضہ کرنے میں یہ لوگ کامیاب ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے اس خطہ میں ''امارات نجد'' کے نام سے ایک دوسری سعودی حکومت قائم کی جس کا دار الحکومت انہوں نے ریاض کو بنایا۔ مگر یہ ریاست بھی زیادہ دن نہ چل سکی کیونکہ ۱۸۳۴ء میں ترکی ابن عبداللہ کو اس کے ایک چچازاد بھائی نے قتل کر دیا جس کے بعد ۱۸۹۱ء میں یہ دوسری سعودی ریاست بھی ختم ہو گئی۔ اس کا آخری حکمراں عبدالرحمن بن فیصل تھا جس نے اپنے بیٹے عبدالعزیز (جس کو آج سعودی حکومت کا بانی کہا جاتا ہے اور جس کے نام سے حرم شریف میں ایک دروازہ باب عبدالعزیز موسوم ہے) کے ساتھ مل کر ایک بدو قبیلہ ''مرہ'' کے پاس پناہ لی۔ عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن فیصل ہی وہ نجدی شخص ہے کہ جس نے آل شیخ یعنی آل ابن عبد الوہاب کی وہابی تحریک کی مدد سے تیسری مضبوط سعودی ریاست ۱۹۰۲ء میں ریاض پر قبضہ کر کے قائم کی۔ نجد کے خطے میں رہنے والے قزاقوں اور صحرائی ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر عبدالعزیز نے اپنی طاقت میں پہلے خوب اضافہ کیا پھر ریاض پر قبضہ کرتے ہوئے یہ لوگ حجاز مقدس پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ یہی وہ وقت تھا کہ حجاز کے پورے علاقہ کا کنٹرول اُس وقت شریف حسین نامی گورنر کے ہاتھ میں تھا اور اس وقت برطانیہ، فرانس، جرمنی اور روس سمیت کئی غیر ملکی طاقتیں اس علاقہ سے ترکی حکومت کا نام ونشان مٹانے

اور اس پورے خطہ کو اپنے قبضہ میں لینے کے لیے کمر بستہ تھیں۔لیکن حجاز مقدس کی مذہبی حیثیت کو دیکھتے ہوئے یہ طاقتیں براہ راست اس پر حملہ کر کے بزور طاقت وقوت اپنا کنٹرول قائم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھیں۔اس وقت نجد اور نجد سے متصل خطوں میں عبدالعزیز اور ابن عبدالوہاب سے وابستہ افراد کی بڑھتی ہوئی چیرہ دستیاں ان طاقتوں کی نظروں میں آ گئیں اور انہیں ان کی صورت میں اس خطہ پر قبضہ کرنے کے لیے نیز سلطنت عثمانیہ کو اس خطہ سے بے دخل کرنے کے لیے ایک بہترین کٹھ پتلی دستہ دستیاب ہو گیا۔لہٰذا ان لوگوں نے خاص طور پر برطانوی افواج نے ان سب کو فوجی تربیت دی، جدید قسم کے ہتھیار فراہم کئے اور اسی درمیان پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی جس میں سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لیے برطانیہ اور اس کے حلیف ممالک نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا لیکن انہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی حکومت جب تک حجاز مقدس پر باقی ہے اور جب تک حرمین طیبین کی خدمت کا ان کے اوپر ذمہ ہے تب تک پوری دنیائے اسلام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لیے اگر سلطنت عثمانیہ کو ختم کرنا ہے تو پھر سب سے پہلے حجاز مقدس سے ان کو بے دخل کرنا ہوگا۔ایسے وقت میں کہ جب سلطنت عثمانیہ دوسرے خطوں میں برطانیہ اور اس کے حلیف ممالک سے برسر پیکار تھی تب ہی آل سعود اور آل شیخ نے مل کر حجاز مقدس بلکہ پورے جزیرۂ عرب پر اپنا تسلط جما لیا۔اس میں برطانیہ اور فرانس نے ان کی خوب خوب مدد کی۔جنگ ختم ہونے کے بعد ایک خفیہ معاہدے کے تحت برطانیہ اور فرانس نے مشرق وسطیٰ کے مختلف علاقوں کو آپس میں تقسیم کر لیا مگر جزیرۂ عرب پر عبدالعزیز کی سربراہی میں اپنی ایک کٹھ پتلی بادشاہت قائم کرا دی جس کا اثر آج تک موجود ہے۔اس طرح ۱۹۲۶ء میں مکۃ المکرّمہ، مدینۂ منورہ اور جدہ پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد عبدالعزیز بن سعود نے خود کو حجاز کا بادشاہ قرار دے دیا۔حکومتی معاملات آل سعود کے حصہ میں گئے اور مذہبی امور پر بالا دستی آل شیخ یعنی آل ابن عبدالوہاب کے حصہ میں آئی۔

۱۸ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو ایک شاہی فرمان کے ذریعہ حجاز مقدس، جدہ، نجد و ریاض وغیرہ کو ایک ملک قرار دیتے ہوئے ۲۳ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو جاری شدہ ایک دوسرے شاہی حکم کے ذریعہ اس پورے خطہ عرب کو ''المملكة العربية السعودية''یعنی سعودی عرب کے نام سے موسوم کیا گیا۔تب سے یہاں کی حکومت کو ہمارے عرف میں بھی سعودی حکومت اور اس خطہ کو سعودی عرب کہا جانے لگا جبکہ اس سے پہلے اسے اسلامی تاریخ میں جزیرۂ عرب اور عرب شریف کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

سعودی حکومت کا مذہبی جبر وتشدد: چونکہ سعودی حکومت کی بنیاد ظلم وستم، قتل وغارت گری اور جبر واستبداد پر رکھی گئی تھی۔اس لیے سلطنت عثمانیہ کے سقوط کے بعد پورے جزیرۂ عرب پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے جہاں آل سعود نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے وہیں ان کے ان تمام ظلم وستم کو آل شیخ نے مذہبی اعتبار سے جواز فراہم کیا۔ آل شیخ یہاں کے اہل سنت کے خلاف فتوے جاری کرتے اور آل سعود ان کو ہلاک و برباد کرتے۔اس طرح اس خطہ میں اہل سنت و جماعت سے وابستہ ایسے تمام علماء، مشائخ اور دینی و دنیوی اعتبار سے

سرخیل وسربرآوردہ لوگوں کو آہستہ آہستہ قتل کر دیا گیا یا انہیں قید کر کے اور اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ آل شیخ کی مدد سے آل سعود کی حکومت مضبوط ہوتی رہی اور آل سعود کی حکومت کے سائے میں آل شیخ کے گمراہ کن وہابی عقائد ونظریات فروغ پاتے رہے۔

حکومت کے استحکام کے بعد آل شیخ کے کہنے پر توحید کے نام سے سعودی حکومت نے مذہبی اصلاحات اور جدید تعمیر وتوسیع کے نام پر عشق ووفا کا استعارہ سمجھی جانے والی تمام نشانیوں کو آہستہ آہستہ مٹانا شروع کر دیا۔ آثار طیبہ، تبرکات محترمہ اور مقامات مقدسہ کے انہدام کا عمل وسیع پیمانے پر شروع کر دیا گیا۔ اسلامی تاریخ اور کمالات ومعجزات نبی پر مشتمل مقامات پر بنی ترکی عمارتوں کو منہدم کیا جانے لگا۔ شرک وبدعت کی بیخ کنی اور علَم توحید کی سربلندی کے نام پر ان تمام آثار طیبہ کو مسمار کر کے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ایسے مقامات مقدسہ کو آہنی دیواروں میں مقید کر کے ان تک پہنچنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ اسلامی وایمانی یادگار ونشانی رکھنے والی بیشمار مسجدوں کو منہدم کر دیا گیا۔ بہت سارے مزارات اور قبوں کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ جنت البقیع میں جو مزارات مقدسہ بنے ہوئے تھے ان سب کو زمیں دوز کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں بہت سخت قوانین کا نفاذ کیا گیا۔ ان قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت اذیت ناک سزائیں دی جانے لگیں۔

اسلامی تشخص کے ظاہری مناظر: مذہب کے نام پر اس ظلم وتشدد اور اپنے گمراہ کن وہابی افکار ونظریات کے باوجود سعودی حکومت نے معاملات میں بظاہر ہی صحیح مگر کافی حد تک اسلامی تشخص کو اب تک برقرار رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ اسلامی پردہ ہو کہ نمازوں کی پابندی، دیگر غیر شرعی کاموں خاص کر سنیما، میوزک، شراب خانے، جوئے خانے، نائٹ کلب، ناچ خانے وغیرہ کی روک تھام کا معاملہ ہو یا پھر حدود حرمین طیبین میں کافروں کے داخلہ کا معاملہ۔ اس سلسلہ میں ان تمام چیزوں پر سخت قسم کی پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ چنانچہ دنیا کے لوگ یہ بات بخوبی دیکھتے تھے کہ وہاں کی مستورات سرتا پیر پردے میں ملبوس نظر آتی تھیں۔ پورے بدن میں آنکھوں کے علاوہ کوئی چیز دکھائی نہ پڑتی تھی۔ اذان ہوتے ہی سارے مارکیٹ اور ساری دوکانیں حتیٰ کہ ٹرافک تک بند ہو جاتا تھا۔ جو جہاں ہوتا تھا وہ وہیں نماز کی حالت میں دکھائی دینے لگتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسے اشخاص نماز وجماعت کی شرط پوری نہیں کرتے تھے۔ کہیں بھی جوئے خانے، شراب خانے، رنگ وناچ کی محفلیں اور نائٹ کلب دکھائی نہ دیتے تھے۔ کسی بھی آفس، دوکان، شاپنگ مال وغیرہ میں مستورات ملازمت کے طور پر نظر نہ آتی تھیں۔ کار ڈرائیونگ وغیرہ بھی صرف مردوں کے ساتھ خاص تھی۔ لیکن آج یہاں کا منظر نامہ ان تمام باتوں سے مختلف نظر آنے لگا ہے۔

بدلتا منظر نامہ: اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امسال اللہ کے فضل وکرم، آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عطا ونوازش اور بزرگوں کے فیضان سے دربار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت وحاضری اور اس کے صدقہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے حجاز

مقدس پہنچا۔ حیرت کا شدید جھٹکا اس وقت لگا جب لکھنؤ سے ہم سعودیہ ایئر لائنس سے مدینہ منورہ جانے والی پرواز نمبر ایس وی ۳۸۹۵ پر سوار ہوئے۔ اس طیارے میں ہم نے دیکھا کہ دیگر ملکوں سے وابستہ ایئر ہوسٹس کے علاوہ دو سعودی شہریت رکھنے والی ایئر ہوسٹس بھی تھیں۔ مدینۂ منورہ ایئر پورٹ پر اترے اور امیر گریشن کے لیے جب آگے بڑھے تب دیکھا کہ کئی کاؤنٹروں پر سعودی خواتین آنے والے غیر ملکیوں کی امیگریشن سے متعلق کارروائی امیگریشن کاؤنٹر پر بیٹھ کر انجام دے رہی ہیں۔ کچھ آگے بڑھے تو یہ دیکھ کر اور حیرت ہوئی کہ سعودی پولیس فورس اور سعودی فوج کی وردی میں ملبوس سعودی دوشیزائیں جا بجا تعینات کی گئی ہیں۔ یہ سب دیکھ کر بر ملا زبان پر "استغفر الله" کے ساتھ لعنت وملامت پر مشتمل کلمات جاری ہو گئے۔ ضابطے کی کارروائی مکمل کرنے کے بعد معلم کی بس پر سوار ہو کر ہم اپنے ہوٹل کی طرف جب روانہ ہوئے تو مدینہ منورہ کی شاہ راہوں پر جا بجا ہمیں چہرہ کھول کر نہایت ہی تیز رفتاری کے ساتھ کار چلاتی سعودی خواتین نظر آئیں۔ جن میں ادھیڑ عمر کی خواتین بھی تھیں اور نوعمر کی لڑکیاں بھی۔ پھر تو جب تک ہم مدینہ طیبہ میں رہے اس قسم کے بدلتے منظر نامے ہمیں جا بجا دکھائی دیتے رہے۔ مارکیٹوں میں، دوکانوں پر، آفسوں میں، شاپنگ مالوں میں، شفاخانوں میں غرض کہ کوئی ایسی عمومی جگہ نہ تھی کہ جہاں سعودی خواتین ملازم کی حیثیت سے موجود نہ ہوں۔ پولیس اور فوج میں بھی ان کی شمولیت اچھی خاصی نظر آئی۔ چہرہ کھول کر گھومنے والی سعودی خواتین اس بار خاصی تعداد میں دکھائی دیں۔ حد تو یہ ہے کہ میٹرو چلانے اور بلیٹ ٹرین چلانے والی بھی سعودی دوشیزائیں اچھی خاصی تعداد میں رکھی گئی ہیں۔

سعودی باشندوں کی بے چینی: اس سلسلہ میں مدینہ طیبہ کے اندر مقیم ہندوستانی، پاکستانی، بنگلہ دیشی اور خاص کر کچھ دیندار دکھائی دینے والے سعودی شہریوں سے بات ہوئی تو انہوں نے دبی زبان میں ان تمام بدلتے منظر ناموں پر اپنی گہری تشویش اور اپنے اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے نہایت ہی غم اور تکلیف کو بیان کیا۔ ایک سعودی شہری نے تو یہاں تک کہا کہ آپ کے ملک کی ایک خاتون وزیر کو جب حرم مدینہ کی حرمت پامال کرنے کے لیے یہاں لایا گیا تو اس سے یہاں کے اکثر شہریوں کو نہایت قلبی تکلیف پہنچی۔ راقم نے کہا کہ اس سلسلہ میں آپ لوگوں نے کچھ اقدام کیوں نہیں کیا؟ جواب دیا کہ یہ آپ کا ملک نہیں کہ جہاں اظہار رائے کی آزادی ہے۔ اگر یہاں کے ذمہ داران کو معلوم ہو جائے کہ حکومتی اقدامات پر فلاں شخص تنقید کر رہا ہے تو پھر اس کی خیر نہیں کیوں کہ یہاں کا جاسوسی نظام نہایت ہی تیز وترار ہے۔ پھر یہاں کے حکومتی مفتیوں نے یہ فتویٰ بھی جاری کر دیا ہے کہ حرم کی تعظیم وتکریم اور اس کے احکام شرعیہ سے متعلق جو احادیث کریمہ اور روایات ہیں ان کا مصداق صرف حرم مکہ ہے، حرم مدینہ نہیں۔ اسی فتویٰ کو بنیاد بنا کر سعودی حکومت کے ذمہ داران نے اب مدینہ طیبہ کے دروازے دنیا بھر کے غیر مسلم کافر ومشرک سیاحوں کے لیے کھول دیئے ہیں۔ یہ سب اب تجارتی نقطۂ نظر سے ہو رہا ہے۔ یہاں اب چاہے

پرائیویٹ سیکٹر ہو یا گورنمنٹی ہر جگہ سعودی خواتین اور سعودی لڑکیوں کے لیے نشستیں مخصوص کر دی گئی ہیں۔اسی وجہ سے یہاں ہر جگہ کی ملازمت میں آپ کو سعودی خواتین کثرت کے ساتھ دکھائی دے رہی ہیں۔عورتوں کو ڈرائیونگ کرنے تک کی اجازت دے دی گئی ہے اور تو اور اب جا بجا اس خطہ میں دھڑلے کے ساتھ روز بروز نائٹ کلب، ڈانس فلور، بار، سنیما ہال اور لہب ولعب کے عیش کدے کھولے جا رہے ہیں۔

پھر اس شخص نے ہمیں ایک عربی اخبار دکھایا جس میں بڑے دیدہ زیب انداز میں ایک اشتہار دیا گیا تھا۔جس میں عین عرفہ کے دن یعنی ۹/ذی الحجہ سے لے کر ۱۲/ذی الحجہ تک ایام عید اضحیٰ کے موقع پر ریاض اور جدہ کے اندر کھلنے والے جدید طرز کے نائٹ کلب کے افتتاح کا اعلان کیا گیا تھا۔یہ سب دیکھ کر نہایت تکلیف پہنچی کہ وہ حکومت کہ جس نے اپنے مخصوص وہابی اور گمراہ کن عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت کے لیے اہل سنت پر ایک صدی سے نہ جانے کتنے ظلم وستم کئے، علم توحید بلند کرنے اور شرک وبدعت کی بیخ کنی کے نام پر نہ جانے کتنے مقامات مقدسہ کو مسمار کیا، آج وہی حکومت فحاشی کو کس طرح فروغ دے رہی ہے۔کافر ومشرک لوگوں کو کس طرح ان مقامات مقدسہ کی سیاحی کرا رہی ہے۔خواتین اسلام کو کس قدر بے لگام، بے نقاب اور آزاد خیال بنا رہی ہے۔زیارات مقدسہ کو کس طرح تجارت محض بنا کر زائرین کو لوٹ رہی ہے۔بے شمار حجاج کے مناسک حج اور فرائض وواجبات حج کو برباد کر رہی ہے۔حج و زیارت کی ادائیگی کو روز بروز نہایت مشکل بنا رہی ہے۔عبادات و زیارات میں اس قدر سختی اور لہب ولعب، فحاشی و بدکاری میں اتنی چھوٹ؟ حیرت ہوئی یہ سب دیکھ کر۔

پہلے اذان ہوتے ہی ساری مارکیٹوں کے بند ہونے اور سبھی کے نماز کی ہیئت میں ہونے کے مناظر دکھائی دیتے تھے اور اس سلسلہ میں پولیس فورس کافی سختی بھی کرتی تھی۔مگر اب اس پر بھی کوئی خاص زور دکھائی نہیں دیا۔دوکانیں بھی کھلی دکھائی دیں اور اگر کھلی نہیں ہیں تو ان کے سامنے فٹ پاتھوں پر لوگ بیٹھے دکھائی دیئے۔ راستوں میں بھی نماز کے اوقات میں لوگوں کی چلت پھرت نظر آئی۔ مگر اس بے توجہی کا فائدہ ان حضرات کو ضرور پہنچا جو متصلب سنی ہیں اور نجدی اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں۔

فلسطین سے لاتعلقی: اس بار ایام حج شروع ہونے سے پہلے ہی سعودی حکومت کے چیف مفتی نے یہ بیان جاری کر دیا کہ حج ایک عبادت ہے جس میں کسی بھی قسم کے سیاسی معاملات نہیں اٹھائے جا سکتے۔یہ کہہ کر اس نے فلسطین کی حمایت میں نعرے لگانے یا دعائیں کرنے یا اظہار ہمدردی کرنے پر پابندی کی طرف اشارہ کر دیا۔پھر عرفہ کے دن جو خطبۂ حج ہوتا ہے اس میں کئی سالوں سے فلسطین کا ذکر نہایت اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا، فلسطینی مسلمانوں کے لیے دعائیہ کلمات بھی ہوتے تھے مگر اس بار حج کے خطبہ سے یہ ساری چیزیں ندارد نظر آئیں جس سے یہ اندازہ ہوا کہ سعودی حکومت نے فلسطینی مسلمانوں کو اسرائیلی درندوں کے سامنے بے یار ومددگار چھوڑ دیا ہے۔

☆

ترجمہ: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدر الافاضل حضرت علامہ محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ

پیش کش: مولانا ابرار الحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: اب کہیں گے پیچھے بیٹھ رہنے والے ۲۹ جب تم غنیمتیں لینے چلو ۳۰ تو ہمیں بھی اپنے پیچھے آنے دو ۳۱ وہ چاہتے ہیں اللہ کا کلام بدل دیں ۳۲ تم فرماؤ ہرگز تم ہمارے ساتھ نہ آؤ۔ اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرما دیا ہے ۳۳ تو اب کہیں گے بلکہ تم ہم سے جلتے ہو ۳۴ بلکہ وہ بات نہ سمجھتے تھے ۳۵ مگر تھوڑی ۳۶ ان پیچھے رہ گئے ہوئے گنواروں سے فرماؤ ۳۷ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے ۳۸ کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ پھر اگر تم فرمان مانو گے، اللہ تمہیں اچھا ثواب دے گا ۳۹ اور اگر پھر جاؤ گے جیسے پہلے پھر گئے ۴۰ تو تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

(پ ۲۶ / رکوع ۱۰ سورۂ فتح آیت ۱۵ تا ۱۶)

تفسیر: ۲۹ جو حدیبیہ کی حاضری سے قاصر رہے۔ اے ایمان والو! ۳۰ خیبر کی۔ اس کا واقعہ یہ تھا کہ جب مسلمان صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح خیبر کا وعدہ فرمایا اور وہاں کی غنیمتیں حدیبیہ میں حاضر ہونے والوں کے لیے مخصوص کر دی گئیں۔ جب مسلمانوں کا خیبر کی طرف روانہ ہونے کا وقت آیا تو ان لوگوں کو لالچ آیا اور انہوں نے بطمع غنیمت کہا ۳۱ یعنی ہم بھی خیبر کو تمہارے ساتھ چلیں اور جنگ میں شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۳۲ یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اہل حدیبیہ کے لیے فرمایا تھا کہ خیبر کی غنیمت خاص ان کے لیے ہے ۳۳ یعنی ہمارے مدینہ آنے سے پہلے ۳۴ اور یہ گوارا نہیں کرتے کہ ہم تمہارے ساتھ غنیمتیں پائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۳۵ دین کی ۳۵ یعنی محض دنیا کی حتی کہ ان کا زبانی اقرار بھی دنیا ہی کی غرض سے تھا اور امور آخرت کو بالکل نہیں سمجھتے تھے۔ (جمل) ۳۷ جو مختلف قبائل کے لوگ ہیں اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے تائب ہونے کی امید کی جاتی ہے بعض ایسے بھی ہیں جو نفاق میں بہت پختہ اور سخت ہیں، انہیں آزمائش میں ڈالنا منظور ہے تاکہ تائب و غیر تائب میں فرق ہو جائے اس لیے حکم ہوا کہ ان سے فرما دیجئے ۳۸ اس قوم سے بنی حنیفہ یمامہ کے رہنے والے جو مسیلمہ کذاب کی قوم کے لوگ ہیں، وہ مراد ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ فرمائی اور یہ بھی کہا گیا کہ ان سے مراد اہل فارس و روم ہیں جن سے جنگ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعوت دی ۳۹ مسئلہ: یہ آیت شیخین جلیلین حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی صحت خلافت کی دلیل ہے کہ ان حضرات کی اطاعت پر جنت کا اور ان کی مخالفت پر جہنم کا وعدہ دیا گیا۔ ۴۰ حدیبیہ کے موقع پر۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد سبحان رضا سبحانی میاں مدظلہ العالی
سربراہ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر ،سوداگران بریلی شریف

اطاعت رسول

آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمابرداری اللہ کی اطاعت وفرمابرداری ہے اوران کی زبان فیض ترجمان سے جاری احکام کی اتباع ہی خوشنودی مولیٰ کا سبب اوران کی نافرمانی ناراضگی مولیٰ کا باعث ہے۔اس سلسلہ کی احادیث کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

☆اخبرنی ابو سلمة بن عبد الرحمٰن انه سمع ابا هريرة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال من اطاعنی فقد اطاع الله، ومن عصانی فقد عصی الله ومن اطاع اميری فقد اطاعنی ومن عصی اميری فقد عصانی۔

(صحيح بخاری جلد۲ كتاب الاحكام)

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

☆سمعت جابر بن عبد الله يقول جائت ملايكة الى النبی صلی الله عليه وسلم وهو نائم فقال بعضهم انه نائم وقال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان۔ فقالو۔۔۔والداعی محمد صلی الله عليه وسلم فمن اطاع محمدا صلی الله عليه وسلم فقد اطاع الله، ومن عصی محمدا صلی الله عليه وسلم فقد عصی الله ومحمد صلی الله عليه وسلم فرق بين الناس۔

(صحيح بخاری جلد ۲ كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة)

ترجمہ:راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبد اللہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں کچھ فرشتے حاضر ہوئے اس وقت ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے تھے تب ان فرشتوں میں سے بعض نے کہا کہ حضور سو رہے ہیں مگر بعض نے کہا کہ آنکھیں سو رہی ہیں اور دل بیدار ہے۔۔۔پھر انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم منجانب اللہ داعی ہیں تو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمابرداری کرے وہ اللہ کا فرمابردار ہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے وہ اللہ کا نافرمان ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اور برے، نیک و بد لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

ان روایات سے بالکل واضح ہے کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے ایسا مقام رفیع عطا فرمایا ہے کہ ان کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور ان کی خوشنودی کو اپنی خوشنودی قرار دیا۔میرے جدامجد نے فرمایا:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم☆ خدا چاہتا ہے رضائے محمد

☆☆☆

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج، تحقیق:- حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

نماز عید کی دوسری جماعت کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے عید کے روز جماعت اولیٰ کے وقت اعلان کیا کہ عید کی دوسری جماعت بھی ہوگی۔ کیوں کہ وہ ایک امام سے کہہ چکے تھے کہ ہم دوسری جماعت کریں گے اگرچہ پانچ ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ جماعت اولیٰ میں تقریباً ۴۰۰/آدمی شامل ہوئے۔لہٰذا اس نے دوسری جماعت قائم کی جس میں تقریباً ۳۰/آدمی شامل ہوئے وہ بھی اس طرح ہوئے کہ ان میں کچھ وہ تھے جو پہلی جماعت میں نماز پڑھ چکے تھے۔وہ اس لیے شریک ہوئے کہ جماعت ثانی کے امام نے لوگوں کو یہ بھی بتایا تھا کہ جو دوبارہ جماعت میں شریک ہوگا اسے دو رکعت نماز نفل کا ثواب ملے گا۔جس امام نے جماعت اولیٰ پڑھائی اسی نے تراویح پڑھائی تھیں اور یہ امام سنی صحیح العقیدہ باشرع ہے اور جو لوگ جماعت ثانی میں شریک ہوئے وہ جماعت اولیٰ کے امام کے پیچھے اپنی نماز صحیح اور جائز مانتے ہیں اور برابر اس کے پیچھے پڑھتے ہیں لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ عید کی نماز ایک ہی مسجد یا عیدگاہ میں دو مرتبہ ہوسکتی ہے یا نہیں ؟اور جو اوپر لکھا ہے اس کے مطابق ایسا کرنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور نماز عید کی دوسری جماعت جس امام نے پڑھائی وہ جمعہ کی نماز میں بھی شامل تھا لیکن خطبہ سن کر مسجد سے چلا گیا۔ اس پر لوگوں کا اعتراض ہے کہ وہ خطبہ کے بعد گئے، انہوں نے ناجائز کیا جبکہ امام جمعہ خطبہ وغیرہ صحیح پڑھتا ہے۔لہٰذا ایسے شخص کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ مطلع فرمائیں۔لوگوں کا کہنا ہے کہ بارش کی وجہ سے بہت سی جگہ دوسری جماعت ہوتی ہے لہٰذا کوئی حرج نہیں ہے۔لہٰذا مہربانی کرکے جواب مفصل سے آگاہ فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

شمشاد احمد، موضع پدارتھ پور تحصیل وضلع بریلی شریف

الجواب بعونہ الملک الوہاب: جماعت اولیٰ ہی ہے اسی کی شرع مطہرہ نے تاکید فرمائی ہے اور بلا عذر اس کے ترک پر وعید شدید حدیث میں آئی ہیں۔ بے عذر شرعی جماعت اولیٰ چھوڑنا ناجائز وگناہ ہے اور اس پر اصرار گناہ در گناہ۔جس نے بے وجہ جماعت ثانیہ کی ضد کی، گنہگار ہے۔توبہ کرے اور اس کے ہم نوا بھی توبہ کریں۔ پھر اگر عید کی دوسری جماعت امام ماذون نے پڑھادی تو عید کی نماز ہوگئی ورنہ عید کی نماز ہی صحیح نہ ہوئی اور دوہرا گناہ ہوا۔ وہ امام جس نے بے وجہ شرعی امام لائق امامت کی اقتدا چھوڑی اور مسجد سے خروج کیا، گنہگار ہے۔توبہ کرے ورنہ امامت کے لائق نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری قادری

۷/شوال ۱۳۹۷ھ

دارالافتاء منظر اسلام، سوداگران بریلی شریف

صح الجواب والمولیٰ تعالیٰ اعلم قاضی محمد عبدالرحیم بستوی غفرلہ

سرزمین بریلی شریف کی چند بزرگ ہستیاں

از۔ڈاکٹر محمد حسن قادری بریلوی

حضرت آخون زادہ: حضرت آخون زادہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ روہیلکھنڈ کے نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور حکومت میں ایک مشہور ولی کامل تھے۔آپ کا پورا نام آخون محمد زیارت خاں ہے۔دراصل ''آخون'' یا ''اخون'' دونوں پشتو زبان کے الفاظ ہیں۔جن کے معانی معلم کے ہیں۔اس نام کا قبیلہ افغانستان میں ہے۔آج اسی قبیلے کے لوگ افغانستان میں برسر اقتدار ہیں۔ظاہر ہے کہ حضرت آخون زادہ افغانستان کے باشندے تھے۔اس قبیلے کے لوگ اپنے نام سے پہلے آخون یا اخون ضرور لگاتے ہیں۔

آپ کی سن ولادت پردۂ خفا میں ہے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اولیائے کاملین میں سے ہیں اور آپ کا وصال ۱۷۸۲ء میں بریلی شریف میں واقع محلّہ جسولی میں ہوا۔یہاں آپ نے ایک عالیشان مسجد تعمیر کی تھی۔لہٰذا اپنی اسی تعمیر کردہ مسجد میں آپ کی تدفین عمل میں آئی اور یہ مسجد آپ ہی کے نام سے ''مسجد آخون زادہ'' کے نام سے موسوم ہوئی۔اسی مسجد کے اندر آپ درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔مشہور ہے کہ جنات بھی آپ سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔یہ بھی روایت مشہور ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے ان ہی جنات شاگردوں نے آپ کو دفن کیا تھا۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے۔بڑے فرزند کا نام ارادت خاں تھا جو لاولد فوت ہوئے اور دوسرے صاحبزادے کا نام آخون زادہ عباس علی خاں تھا جو ''اقتداء الدولہ'' اور ''صمصام جنگ بہادر'' کے خطاب سے جانے جاتے تھے۔ان سے ایک فرزند اور چند بیٹیاں پیدا ہوئیں۔آپ کی ایک صاحبزادی جو آپ کی پہلی زوجہ سے تھیں،ان کا نکاح علی مراد خاں بن معظم خاں بن سعد اللہ خاں سے ہوا تھا۔مؤخر الذکر دونوں صاحب اقتدار ''پشتان'' افغانستان سے آکر بریلی میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔آپ سے حافظ محمد جمشان خان اور محمد عمران خان تولد ہوئے۔حافظ محمد جمشان خان کے بیٹے محمد رفیع الشان خاں اور ان کے فرزند عظیم خاں ہوئے جو عالم و فاضل، ماہر لسانیات اور فارسی کے بہت بڑے جانکار ہونے کے ساتھ ایک علم دوست اور بے لوث شخصیت کے حامل فرد تھے۔

حضرت آخون زادہ محمد زیارت خان کی شان ولایت اور عظمت و بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ والی روہیلکھنڈ حافظ الملک حافظ رحمت خاں جو خود عالم و فاضل اور صاحب طریقت تھے اور اس قدر سرمایۂ باطنی سے مالا مال تھے کہ آپ کے ایک کلمۂ ارشاد و ہدایت سے مبتدی منتہی ہو جاتا تھا،اس کے باوجود وہ بھی حضرت آخون زادہ سے بہت عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور خود چل کر آخون زادہ زیارت خاں کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔گھنٹوں حقائق و معارف کی باتیں کرتے۔جبکہ دیگر علماء وفضلا اور اولیائے کرام نواب حافظ رحمت خاں کے دربار میں جا کر ان سے ملاقات کرتے تھے۔بریلی شریف

کی مسجد آخون زادہ میں آپ کا مزار مقدس آج بھی مرجع عقیدت ہے۔

مولوی بشیر الدین : مولوی بشیر الدین صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت کے زمانہ کے ایک مجذوب بزرگ ہیں۔آپ کا تذکرہ کسی اور کتاب میں کہیں بھی نہیں ملتا صرف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے آپ کا تذکرہ فرمایا ہے۔آپ بھی مسجد آخون زادہ میں قیام پذیر تھے۔آج اس مسجد آخون زادہ کے امام صاحب کے لیے مسجد کے احاطہ میں جو حجرہ بنا ہوا ہے اسی حجرے کے سامنے ایک حجرہ تھا جس میں مولانا بشیر الدین صاحب کی سکونت تھی۔آپ عاملین و کاملین بزرگوں میں سے تھے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''بریلی میں ایک مجذوب بشیر الدین صاحب آخون زادہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ان کے پاس جو جاتا کم سے کم پچاس گالیاں سناتے تھے۔مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا۔میرے والد ماجد قدس سرہ کی ممانعت کہ کہیں باہر بغیر آدمی کو ساتھ لیے نہ جانا۔ ایک دن رات کے ۱۱ر بجے اکیلا ان کے پاس پہنچا اور فرش پر جا کر بیٹھ گیا وہ حجرے میں چارپائی پر بیٹھے تھے۔بغور مجھے پندرہ بیس منٹ تک دیکھتے رہے۔آخر مجھ سے پوچھا صاحبزادے !تم مولوی رضا علی خاں صاحب کے کون ہو؟ میں نے کہا: میں ان کا پوتا ہوں۔فوراً وہاں سے جھپٹے اور مجھ کو اٹھا کر لے گئے اور چارپائی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا آپ یہاں تشریف رکھئے۔پوچھا کیا مقدمہ کے لیے آئے ہو؟ میں نے کہا کہ مقدمہ تو ہے لیکن میں اس لیے نہیں آیا ہوں۔میں تو صرف دعائے مغفرت کے واسطہ حاضر ہوا ہوں۔ قریب آدھے گھنٹے تک برابر کہتے رہے:اللہ کرم کرے ،اللہ رحم کرے۔اس کے بعد میرے منجھلے بھائی مولوی حسن رضا خاں مرحوم ان کے پاس مقدمہ کی غرض سے حاضر ہوئے تو مجذوب صاحب نے ان سے خود ہی پوچھا کیا مقدمہ کے لیے آئے ہو؟انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔فرمایا:مولوی صاحب سے کہنا قرآن شریف میں یہ بھی تو ہے: ''نصر من الله و فتح قریب ''پس دوسرے دن ہی مقدمہ فتح ہو گیا۔''

(الملفوظ حصہ چہارم ص۳۶۲،رضوی کتاب گھر دہلی)

آپ کی وفات کب ہوئی ؟اس بارے میں بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔اسی مسجد کے عقب میں ایک قبرستان میں آپ کا مزار مقدس ہے۔ایک عقیدت مند محمد اظہر خاں نے مزار شریف کی چہار دیواری اور خوبصورت گنبد تعمیر کرا دیا ہے۔

حضرت مستان شاہ مجذوب : حضرت مستان شاہ مجذوب کا مختصر ذکر مولوی صبیح الدین صاحب کی تالیف کردہ کتاب ''تاریخ شاہجہاں پور'' میں موجود ہے۔آپ شاہجہاں پور کے ساکن نہیں تھے۔آپ کے بچپن و جوانی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔آپ شاہجہاں پور میں ''کھرنی کے باغ''میں مقیم تھے۔مشہور ہے کہ آپ تحصیل دار کے معزز عہدے پر فائز تھے۔ایک مرتبہ رینا شاہ مجذوب، ساکن قادر گنج کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔انہوں نے ایک پتھر مار دیا تب سے یہ بھی مست و مجذوب ہو گئے تھے۔جذب کے غلبے سے اکثر بیہوش رہتے تھے اور برہنہ ہو جاتے تھے۔بہت نرم مزاج اور خاموش طبیعت تھے۔بعض ناسمجھ اور سنگ دل لوگ آپ کو بہت تکلیف پہنچاتے یہاں تک کہ آپ کا بدن بھی جلا دیا تھا۔مگر آپ نے کبھی اف تک نہ کی۔ایسے سبھی لوگوں کو جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء میں پھانسیاں ہوئیں اور جلائے گئے۔مشہور ہے کہ آپ نے اس

جنگ سے پہلے ہی اس جنگ آزادی ہند ۱۸۵۷ء اور انقلاب سلطنت لکھنؤ کی پیش گوئی کردی تھی جو صحیح ثابت ہوئی۔ وفات سے قبل بریلی شریف آ گئے تھے اور یہیں وفات پائی۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ آپ کا مزار مبارک پیلی بھیت روڈ بریلی میں واقع ''فائق انکلیو'' نامی کالونی میں اعلیٰ حضرت اسپتال کے قریب ہے اور کچھ لوگ ان کا سالانہ عرس بھی کرتے ہیں۔

بریلی میں مستان شاہ بابا نام کے ایک اور بزرگ بھی ہوئے ہیں جن کا مزار مقدس شاہ دانا ولی علیہ الرحمہ کے آستانہ سے متصل بکریوں کے مذبح کے سامنے ہے۔ آپ سالک ومجذوب اور صاحب کشف وکرامات اولیائے کاملین وعاملین سے تھے۔ آپ بھی بریلی کے ساکن نہیں تھے۔ پورب کی زبان بولتے تھے اس لیے قیاس کہتا ہے کہ پورب کے کسی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ کشن گڑھ، بدایوں اور گولا گوکرن ناتھ میں بھی آپ مقیم رہے۔ آپ بریلی شریف جب تشریف لائے تو تھانہ بارہ دری کے سامنے ریلوے مال گودام کے پاس ایک جھوپڑی نما کمرہ تھا جس کو محکمۂ ریلوے کے انگریزی عملے نے اپنا دفتر بنالیا تھا۔ وہیں آپ نے قیام کیا۔ آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے انگریزی عملے کو منع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی تھی۔ ترک وتجرید کی زندگی بسر کی اور اپنے حالات ومعاملات کو پوشیدہ رکھا۔ اس لیے آپ کے حالات سے کما حقہ واقفیت حاصل نہیں ہوسکی۔ آپ کا وصال ۶ رشوال/ ۲۱ رستمبر ۱۹۳۶ء بروز پیر کو ہوا۔ محلّہ شاہ دانا پر بکری کے مذبح کے سامنے آپ کی آرام گاہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے واحد مرید وخلیفہ تھے۔ آپ بھی صاحب فضل وکمال بزرگ ہیں۔ مستان شاہ بابا نے آپ سے بہت زیادہ ریاضت و مجاہدات کرائے اور آپ کو کامل واکمل ولی بنا دیا۔ آپ کا وصال ۲۱ رمئی ۱۹۷۳ء کو ہوا۔ آپ بھی اپنے پیرومرشد کی خانقاہ میں آرام فرما ہیں۔ آپ کانکرٹولہ بریلی کے ساکن تھے۔ یہ حالات ان کے خلف اکبر جناب اسلم خاں صاحب نے راقم کو بتائے جو راقم کے بہنوئی بھی ہیں۔

حضرت سید ببر علی شاہ: حضرت سید ببر علی شاہ صاحب صحیح النسب سادات کرام میں سے ہیں۔ آپ کا مزار مقدس اور خانقاہ راقم کے مکان سے متصل محلّہ ذخیرہ میں واقع ہے۔ آپ صوفی باصفا اور سلوک وتصوف کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانہ اقدس کے بزرگ ہیں۔ خانقاہ میں مسجد اور سہ دری عمارت ہے۔ اسی عمارت میں آپ کا قیام تھا۔ اس عمارت کے ایک در میں اب شاہ صاحب کا مزار اقدس بھی ہے اور عمارت کا بقیہ حصہ منتظمین نے کرایہ پر دے رکھا ہے۔ آپ کے شجرۂ طریقت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت شاہ درگاہی رامپوری علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ حضرت شاہ محمد شاہ پیر کے مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت سید ببر علی علیہ الرحمہ کے بریلی میں ایک خلیفہ سید قائم محلی شاہ علیہ الرحمہ تھے جو بریلی کے مشہور ومعروف، سیاسی وسماجی رہنما اور آل انڈیا انجمن سادات کے صدر نیز حضور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے مرید جناب سید منور علی بخاری کے تایا تھے۔ سید منور علی بخاری مرحوم کے خلف اکبر سید شارق علی بخاری نے راقم الحروف کو بتایا کہ سید ببر علی شاہ علیہ الرحمہ کا نکاح ان کے والد سید منور علی بخاری مرحوم کے پردادا سید ہدایت علی بریلوی کہ جن کا تعلق سادات نومحلّہ سے تھا ان کی بہن کے ساتھ ہوا تھا۔

خانقاہ کی مسجد منہدم ہو کر میدان کی شکل اختیار کر چکی تھی۔صرف عمارت باقی رہ گئی تھی۔مزار شریف، مسجد اور خانقاہ کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ببر علی شاہ صاحب کے نواسہ، بریلی شریف کے مشہور نعت خواں جناب سید عباس علی مرحوم اور احسان شمسی صاحب کی کوششوں سے مسجد کی تعمیر نو ہوئی۔مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے سید عباس علی صاحب نے حضور مفتی اعظم تاجدار اہل سنت علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ سے گزارش کی۔حضور مفتی اعظم اپنے ساتھ قطب نما لے کر آئے تھے۔مسجد کی پرانی بنیاد پر ہی نیا سنگ بنیاد رکھنے کی جب درخواست کی گئی تو حضور مفتی اعظم نے قطب نما رکھ کر دیکھا تو پرانی بنیاد کا رخ قبلہ رخ سے بدلا ہوا تھا۔حضور مفتی اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنیاد صحیح کرا کر نیا سنگ بنیاد رکھا۔اس موقع پر محلّہ کے سید ابرار علی مرحوم نے دریافت کیا کہ کیا سابق میں جو نمازیں پڑھی گئیں وہ صحیح ادا نہیں ہوئیں؟ حضور مفتی اعظم ہند نے مسئلہ سمجھایا (غالبًا لوگوں کو سرکار مفتی اعظم ہند نے یہ بتایا ہوگا کہ پرانی بنیاد اگرچہ قبلہ رخ سے پھری ہوئی تھی مگر اتنی ہٹی ہوئی نہ تھی کہ جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے) اور فرمایا کہ نمازیں ہو گئیں۔اس موقع پر فقیر راقم الحروف بھی حاضر تھا۔جب سے مسجد میں برابر پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔خانقاہی روایت کے مطابق کہا جاتا ہے کہ اس خانقاہ میں بھی مدرسہ تھا جس میں طلبہ کو تعلیم دے کر اسلامی طریقہ پر ان کی کردار سازی کی جاتی تھی۔شجرۂ طریقت کے مطابق آپ کا وصال مبارک ۱۵؍شوال ۱۳۲۶ھ/۱۰؍نومبر ۱۹۰۸ء کو ہوا اور خانقاہ شریف میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

منقبت درشان امام عالی مقام

از۔مولانا محمد فرقان فیضی ،چیئرمین امام احمد رضا لائبریری برہم پوری سرلاہی نیپال

بلند اتنا کیا ہے خدا نے نام حسین
عدو بھی ہو گئے پل بھر میں مدح خوان حسین

علم اٹھائے ہوئے دین کی بقا کے لیے
ہے کربلا کی طرف نکلا کاروانِ حسین

ہزار صدیاں گزر جائیں پھر بھی لکھ نہ سکے
جو لکھنے بیٹھے کوئی شخص داستان حسین

کہ ان پہ آج تلک لعنتیں برستی ہیں
ذلیل و خوار ہوئے ایسے دشمنان حسین

یزیدی فوج کے خیموں کا کچھ پتہ ہی نہیں
مہک رہا ہے زمانے میں گلستان حسین

کسی کے بس میں نہیں بس خدا ہی جانتا ہے
کہ کس مقام کا حامل ہے خاندان حسین

دعا ہے فیضی کہ ہم سارے عاشقان حرم
بروز حشر رہیں زیر سائبان حسین

دور حاضر میں شادی سے متعلق رجحانات

از۔ مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی، استاذ و مفتی ادارۂ شرعیہ اتر پردیش، رائے بریلی

''شادی'' نوع انسانی کی نسل کی بقا کے لئے ایک اہم ذریعہ ہے، اسی فطرت کے پیش نظر دین اسلام نے مرد وعورت دونوں کو شادی کرنے کا حکم دیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:

''اے جوانو! تم میں سے جو گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کیونکہ یہ نظر کو جھکاتا ہے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ اس سے خواہش نفس مرتی ہے''۔

(بخاری مسلم)

بیوی سے جنسی لذت کا حصول انسانی فطرت کا تقاضہ اور تقوی وروحانیت کے عین مطابق ہے، مذہب اسلام کا عورتوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ اسلام نے شادی کا طریقہ رائج کر کے عورتوں کی زندگی کے تمام لوازمات جیسے روٹی کپڑا اور مکان اور ان کے لئے پیار ومحبت والی ایک خوشگوار زندگی گزارنے کا انتظام کیا ہے اور انہیں بے سہارا اور در در کی ٹھوکروں سے محفوظ رکھا ہے، جبکہ دنیا کے دیگر مذاہب میں شادی سے دوری، تجرد کی زندگی، گوشہ نشینی، سنیاسی اور رہبانیت کو مذہبی طور پر مقدس، پارسائی اور روحانیت کی علامت سمجھا جاتا ہے اور عورتوں کو صرف لذت، لطف اندوزی اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے جسکی جیتی جاگتی مثال عیسائی مذہب میں پادری، یہودی میں ملنگ اور ہندوؤں میں سنت اور سادھوؤں کی زندگی ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں غیر اسلامی نظریات کی دلدادہ اور مغربی تہذیب کی پروردہ بہت سی لڑکیاں تعلیم، ملازمت اور آزادی کے بہانے سے شادی سے انکار کر رہی ہیں اور کسی لڑکے کو بھی اپنا بوائے فرینڈ (Boy freind) بنا کر اپنی نفسانی خواہشات پوری کر رہی ہیں، وہ شادی کو ایک بندھن اور عذاب تصور کرتی ہیں، اپنی جوانی کی خاص عمر تک وہ اس طرح لطف اندوز ہوتی ہیں پھر جب عمر کی زیادتی سے ان کی خوبصورتی ماند پڑ جاتی ہے، انہیں کوئی پوچھتا نہیں، در در کی ٹھوکریں کھاتی ہیں اور سب کچھ لٹ جاتا ہے تب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔

نکاح کے بغیر ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر وترقی بالکل ناممکن ہے اور بغیر نکاح کے جنسی تعلقات قائم کرنے کی وجہ سے ہمارے سماج اور سوسائٹی میں طرح طرح کے نت نئے فتنے بھی جنم لیتے ہیں، شادی سے انکار کی وجہ سے جنسی بے راہ روی اور غیر اخلاقی جرائم کو دن بدن فروغ مل رہا ہے، لہٰذا ہمارے معاشرہ کے ہر ذمہ دار کو اس پہلو پر بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی سے کیوں انکار کر رہے ہیں؟ کیا وہ اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کے نام پر ہم سے بے حیائی اور غلط کاری کے لئے اور تو وقت نہیں مانگ رہے ہیں؟

کہیں وہ اپنی عصمت اور عزت خفیہ طور پر لٹا تو نہیں رہے ہیں اور ہمیں اسکی خبر تک نہیں ؟ اس لئے جب وہ جوان ہو جائیں تو ان پر کڑی سے کڑی نظر رکھیں اور تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے بعد جتنی جلدی ہو سکے مناسب رشتہ تلاش کر کے انہیں نکاح کے بندھن میں باندھ دیں اسی میں عافیت و بھلائی ہے۔

ہمارے سماج میں کچھ لڑکے اور لڑکیاں ایسی بھی ہیں جو ''من پسند'' شادی کو ترجیح دیتے ہیں اور نوجوان لڑکے لڑکیاں بھاگ کر من پسند شادی کر لیتے ہیں، والدین اور خاندان والوں کی رضا مندی کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے جبکہ والدین کی رضا مندی کے بغیر اکثر شادیاں ناکام ہوتی ہیں اور شادی کی برکتوں سے خالی بھی رہتے ہیں۔عشق و محبت کے سبز باغ ایسی لڑکیوں کی آنکھوں پر ایسی پٹی باندھ دیتے ہیں کہ وہ آنے والے مصائب اور حالات سے بے پرواہ ہو جاتی ہیں اور بعد میں ساری زندگی پچھتاوے میں گزرتی ہے۔اس طرح کے واقعات عموماً ایسے وقت بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جب والدین کی طرف سے ان کی شادیوں کے سلسلے میں غفلت برتی جاتی ہے اور مناسب وقت پر ان کی شادی نہیں کی جاتی۔

ہمارے معاشرے میں اس بات کا بھی بہت رواج ہے کہ شادی سے پہلے لڑکیوں سے مشورہ، ان کی خواہش اور رضا مندی نہیں معلوم کی جاتی اور والدین محض اپنی پسند سے رشتے طے کر لیتے ہیں، جبکہ رشتہ طے کرنے سے پہلے لڑکیوں سے مشاورت ضروری ہے، اسلام دین فطرت ہے لہٰذا وہ شادی کے معاملے میں لڑکیوں کو فطری حق سے کیسے محروم کر سکتا ہے، اسلام ہمارے معاشرے میں بہت کچھ اسلام کے نام پر ''غیر اسلامی'' ہوتا ہے، حد تو یہ ہے لڑکوں سے شادی کے وقت ان کی مرضی اور پسند معلوم نہیں کی جاتی ہے لڑکیوں سے مشاورت کی بات تو بہت دور کی ہے۔شریعت اسلامیہ میں لڑکی کی مشاورت ہی نہیں بلکہ اسکی مکمل رضا مندی کے بغیر اس کا نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے گو کہ وہ نکاح شرعی طور پر واقع تو ہو جاتا ہے لیکن اس لڑکی پر یقیناً ظلم ہوتا ہے۔بہت سارے واقعات ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ لڑکی تعلیم یافتہ ہے اور اس کے والدین کسی ایسے لڑکے سے اس کا نکاح کرنے پر بضد ہیں جو اس کے برابر پڑھا لکھا نہیں، ظاہر ہے جب لڑکا لڑکی کے معیار کا نہیں ہے تو وہ لڑکی کیسے رضا مند ہو سکتی ہے؟ لڑکا ہو یا لڑکی۔ہر کوئی اپنا ہم پلہ رفیق تلاش کرتا ہے اور یہ اسکا فطری حق بھی ہے کہ اس کا جیون ساتھی اسی کے معیار کا ہونا چاہئیے ،اسی لئے تو اسلام نے ''کفو'' کا اعتبار رکھا ہے اور نکاح کے سلسلے میں ''کفو'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہاں! یہ بات صحیح ہے کہ والدین اور سرپرست کے مقابلے میں ان کی سمجھ بوجھ ناقص اور کچی ہوتی ہے، بچے اور بچیاں بہت جلد جذبات کے بہاؤ میں بہہ جاتے ہیں، تو کیا محض کچی عمر، ناقص سوچ اور نا تمام شعور کو بنیاد بنا کر ان کی رضا مندی اور مشورے کو یکسر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں؟ اس لئے بہتر یہی ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے خاندان والے لڑکا اور لڑکی کو شامل کر کے باہمی مشورہ کریں اور لڑکے لڑکیاں بھی اپنے والدین اور سرپرست کی رضا مندی کے بغیر اپنی من پسند کی شادیاں نہ کریں تا کہ مستقبل کی ازدواجی زندگی خوشگوار اور پرسکون گذر سکے،لڑکے اور لڑکیاں جب جوان ہو جائیں تو والدین ملازمت وغیرہ کے نام پر ان کی شادیوں میں تاخیر نہ کریں کہ اللہ عزوجل رزاق ہے اس نے ہر ایک کا رزق مقرر کر رکھا ہے اور

والدین جب اپنے بچوں کی شادی کرائیں تو لڑکے اور لڑکیاں انکار نہ کریں کہ زندگی کی حقیقی خوشی ہمیں شادی کے بغیر نہیں مل سکتی، اس لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت اور نصف ایمان قرار دیا ہے۔

آج کے اس خطرناک دور میں کہ جب کہ ہمارے بچے روز بروز بے لگام اور آزاد خیال ہوتے جا رہے ہیں، ان میں اپنے گھر والوں سے بغاوت کا جذبہ ہر دن تیزی کے ساتھ پروان چڑھ رہا ہے۔ خاص طور پر ہماری بچیاں آج اسی آزاد خیالی کی وجہ سے غیروں کے چنگل میں پھنستی جا رہی ہیں۔ ایسے میں ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں پر گہری نگاہ رکھی جائے اور جلد از جلد مناسب رشتہ دیکھ کر ان کی رضامندی سے ان کی شادی کر دی جائے۔ اگر نہ مانیں تو پیار و محبت سے انہیں منانے کی کوشش کریں۔ کسی اپنے پسندیدہ رشتہ کے لیے انہیں اس طرح مجبور نہ کریں کہ وہ ناسمجھی میں کوئی حتمی قدم اٹھا بیٹھیں اور اس کا فائدہ اٹھا کر غیر انہیں اپنی میٹھی میٹھی باتوں میں پھنسا کر نیز ان سے ہمدردی جتا کر ان کی اور ان کے گھر والوں کی عزت و آبرو کو داؤں پر لگا دیں۔ اگر آپ کے منتخب کردہ رشتہ سے آپ کا بیٹا یا بیٹی راضی نہ ہو تو کچھ دن کے لیے اس تذکرہ کو بالائے طاق رکھ دیں پھر نہایت مناسب موقع دیکھ کر انہیں اس رشتہ کی خوبیوں سے آہستہ آہستہ روشناس کرائیں۔ اس بات کا بھی خاص خیال رکھیں کہ اگر آپ کے بچے اپنے پسندیدہ کسی رشتہ کے سلسلہ میں آپ کو عندیہ دیں تو اسے ناک کا مسئلہ نہ بنالیں بلکہ نہایت ہی حکمت و دانائی کے ساتھ اس رشتہ کی تفتیش کریں اور اگر وہ آپ کے اور آپ کے بچوں کے لیے مناسب ہے تو عزت دارانہ طور پر اس کے لیے حامی بھر دیں۔ یہ نہ کریں کہ ہمارے بچے کی یہ جرأت کیوں ہوئی کہ وہ خود سے اپنے لیے رفیق سفر متعین کر رہا ہے یا ان کی اس فرمائش کو بے حیائی پر محمول نہ کریں۔ اگر شرعی اور سماجی طور پر ان بچوں کے منتخب کردہ رشتوں میں کوئی خامی نہیں ہے تو پھر انہیں قبول کرنے میں کون سا حرج ہے۔

آج ہمارے بچے فحاشی کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا ایک سبب شادیوں میں تاخیر کا ہونا بھی ہے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ہمارے بچوں کو بلا شبہ ایک شریک حیات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ لڑکی ہو یا لڑکا ہر ایک کے سامنے زندگی میں کچھ لمحات ایسے آتے ہیں کہ جس میں خواہشات نفسانی عروج پر ہوتی ہیں۔ ان نفسانی خواہشات کی تکمیل جب بچے جائز طریقہ سے نہیں کر پاتے تو پھر اس کے لیے وہ غیر شرعی طریقوں کا استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ نوجوانوں کے سامنے آنے والے یہ وہ نازک لمحات ہوتے ہیں کہ اگر اس میں انہیں مناسب طریقہ سے سنبھال لیا گیا تو پھر ان کی پوری زندگی شفافیت کا آئینہ بن جاتی ہے۔

نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے بچوں کو مناسب طریقہ سے اولیائے کرام اور اللہ کے محبوب بندوں کے مقدس واقعات سے روشناس کراتے رہنا چاہیئے۔ تقویٰ و پرہیزگاری کی اہمیت ان کے ذہن و دماغ میں راسخ کر دینا چاہیئے۔ فحاشی و بدکاری کی ہلاکت خیزیوں سے انہیں باخبر کرنا چاہیئے۔ اعلیٰ کردار کی اہمیت و افادیت سے انہیں واقفیت کرا دینی چاہیئے۔ شادی بیاہ کو خوب سہل اور آسان بنا دینا چاہیئے تاکہ بروقت شادی بیاہ کرنے میں کوئی اڑچن سامنے نہ آئے۔ اللہ ہمارے معاشرے کی اصلاح فرمائے۔

اُسوۂ رسول کے تابندہ نقوش

از۔محمد قمر انجم قادری فیضی، صحافی روزنامہ شان سدھارتھ، سدھارتھ نگر

بحیثیت مسلمان ہم سب کو ایک اسلامی زندگی گزارنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ایک مومن کی حیثیت سے ہمارے معاملات، ہمارے معمولات، ہماری عبادات کے طور طریقے اور ہمارے زندگی گزارنے کے اطوار کیسے ہونا چاہیئے؟ اوران کی طرف ہماری رہنمائی کس ذریعہ سے ہوگی اس کا سراغ ہمیں قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں بخوبی مل جاتا ہے کہ اگر ایک مسلمان کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ دنیا و آخرت کی منزلیں طے کرنا ہیں تو انہیں اپنی زندگانی میں آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کو شامل کرنا ہوگا۔قرآن فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَه۔

(الاحزاب، 33: 21)

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جب باطل سر اٹھاتا ہے تو اسے کچلنے کے لیے حق کی طاقت سامنے آتی ہے۔چنانچہ جب نمرود نے خدائی کا دعوی کیا تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس دنیا میں بھیجا گیا۔جب فرعون نے خدائی کا دعوی کیا تو اس کے گھمنڈ اور تکبر کو خاک میں ملانے کے لیے خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں بھیجا۔ٹھیک اسی طرح عرب میں جہالت کا بازار گرم تھا، ہر طرف جھوٹ اور باطل تھا، ظلم وستم عام تھا، لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے، قتل وغارت گری عام تھی، ہر طرف چوری چکاری، دھوکے بازی کا راج تھا، جہاں بیٹی جیسی عظیم نعمت کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اگر لڑائی ہو جاتی تو جھگڑا صدیوں تک جاری رہتا تھا۔ان ہی مذکورہ برائیوں کو ختم کرنے کے لئے اور باطل کو نیست ونابود کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔

اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کا مطلب: اُسْوَةٌ کے معنی ہیں نمونہ اور حَسَنَةٌ کا مطلب ہے اچھا اور بہترین۔اُسْوَةٌ حَسَنَة کا مطلب ہے بہترین نمونہ یا خوبصورت طریقہ۔اس سے مراد رسول پاک ﷺ کی سیرت طیبہ ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی، آپ کا چلنا، آپ کا رکنا، آپ کا اٹھنا، آپ کا بیٹھنا، آپ کا کھانا، آپ کا پینا، آپ کا پہننا، آپ کا اتارنا، آپ کا سونا، آپ کا جاگنا، غرضیکہ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر قول وفعل دنیا کے تمام انسانوں، معاشروں اور ملکوں کے لیے نمونہ عمل اور راہ نجات ہے۔آپ ﷺ کی ذات ایسی نور وہدایت، آپ ﷺ کی زندگی ایسا روشن چراغ اور آپ ﷺ کی سیرت ایسا جگمگاتا آفتاب ومہتاب ہے جس سے زندگی کی راہیں روشن اور ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں۔آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ انسانوں کی مکمل رہنمائی کا ضامن

ہے۔آپ ﷺ کے قول وافعال، سیرت وکرداراوراخلاق حسنہ روشنی کے ایسے مینارے ہیں جن سے انسانیت ہمیشہ کے لیے راہ ہدایت حاصل کرسکتی ہے۔معیشت ومعاشرت، سیاست وتمدن، ارشاد وتبلیغ، صلح وجنگ، رشدو ہدایت، دفاع وحملہ، عدل وانصاف غرض ہر معاملے میں آپ ﷺ کی زندگی اسوہِ حسنہ ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جو تعلیم دی ہے اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ درحقیقت قرآن کی عملی تفسیر ہے۔آپ ﷺ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کرنے، نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے، زہد وقناعت اختیار کرنے، دین پر استقامت رکھنے، غریبوں اور مسکینوں کی اعانت کرنے، بھوکوں کو کھانا کھلانے، عفوودرگزر اور صبر وشکر کرنے کی تلقین کی اور سب سے پہلے حضور ﷺ نے ان پر بطریق احسن خود عمل کر کے دکھایا۔

پوری انسانی تاریخ میں کوئی نبی یا رسول ایسا نہیں آیا جس میں وہ تمام صفات مکمل طور پر موجود ہوں کہ جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمائے ہیں۔وہ تمام وصف کہ جو انفرادی طور پر دیگر انبیاء ورسل کو عطا فرمائے گئے ان سب کو اللہ نے ہمارے نبی کی ذات میں جمع فرما دیا اور ان کے علاوہ بھی دیگر بہت سے بیشمار اوصاف عطا فرمائے۔اگر کوئی ہستی ان صفات میں بدرجہ اتم، مکمل اور کامل ہے تو وہ صرف اور صرف حضور ﷺ کی ہستی ہے۔یہ محض دعوی نہیں بلکہ حقیقت ہے، حضور ﷺ اسوۂ حسنہ اور نمونہ کامل جیسے جلیل ترین منصب پر فائز ہیں اور آپ ﷺ کی زندگی کو مثالی نمونہ قرار دیا گیا ہے۔

انسانِ کامل کا خطاب صرف آپ ﷺ کے لئے خاص ہے۔صرف آپ ﷺ کی زندگی کو مشعل بنا کر ہر دور کے ایوان حیات کو منور ومجلی کیا جاسکتا ہے۔اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
کوئی پھول خار سے دور ہے کوئی شمع ہے کہ دھواں نہیں

آپ ﷺ ہمیشہ عاجزی وانکساری سے رہتے اور رات بھر اپنی امت کے لیے خدائے تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگتے آپ ﷺ نے بڑوں کا احترام کرنے اور چھوٹوں پر محبت وشفقت کرنے کا درس دیا اور فرمایا کہ ''جو شخص ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں''۔

پس مسلمانوں کی کامیابی اور آخروی نجات کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ وہ اپنی زندگی کو حضور ﷺ کے ارشادات اور رہنمائی کے مطابق ڈھال لیں اسی میں انسانیت کے فلاح مضمر ہے۔

کائناتِ ارض وسما میں سب سے اعلیٰ وارفع ہستی، محبوب رب الکونین سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے اوصاف حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کے بارے میں کچھ لکھتے وقت نہ صرف تنگی داماں کا احساس ہوتا ہے بلکہ ایسا قلم کہاں سے لائیں جو تاجدار کائنات کے اوصاف قلم بند کر سکے ایسے الفاظ کہاں سے ڈھونڈیں جن سے مدحت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا ہو سکے۔

خوشبو ہے دو عالم میں تیری اے گُل چیدہ
کس منہ سے بیاں ہوں تیرے اوصافِ حمیدہ

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کی شان میں اللہ رب

العزت نے سارا قرآن نازل فرمادیا۔شانِ محمدی، حضورﷺ کے سراپائے پُرنور سے لے کر اخلاق وکردار تک، آپ کی گفتار سے لے کر اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے، چلنے پھرنے کی ایک ایک ادا تک کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔سیرت مطہرہ کو اہل ایمان کے لیے کامل اسوۂ حسنہ، خوبصورت طریقہ قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔

گویا زندگی گزارنے کا جامع ضابطۂ حیات اگر کوئی ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے کائنات میں نہ کوئی آپ جیسا کامل انسان بنایا ہے نہ بنائے گا۔ کیونکہ آپ پر صرف نبوت ورسالت کی تکمیل ہی نہیں ہوئی بلکہ تمام کمالات انسانی، اوصاف اور اخلاق کی تکمیل بھی بدرجہ اتم آپ کی ذات پر ہو چکی ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصاف وکمالات کا مظہر اتم بنا کر بھیجا ہے۔آپ بلند اخلاق ہیں اور آپ کے اخلاق کی اس بلندی کو خود اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ. (سورۃ القلم، 4:66)

ترجمہ: اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ حسنہ سے متّصف ہیں)۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کا مقصد ہی اخلاق کی تکمیل قرار دیتے ہوئے فرمایا: بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الۡاَخۡلَاق۔ یعنی مجھے اچھے اَخلاق کی تکمیل کے لیے مَبعُوث کیا گیا ہے۔

(نوادر الاصول للحکیم الترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اخلاق کے درجات مکمل کرنے اور اچھے اعمال کے کمالات پورے کرنے کے لیے مجھ کو بھیجا۔

(شرح السنہ، باب فضائل سید الاولین والآخرین)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

حق جل وَعلا نے فرمایا: ''وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ''

اور بے شک تو بڑے عظمت والے ادب تہذیب پر ہے کہ ایک حِلم وصبر کیا، تیری جو خصلت ہے اِس درجہ عظیم و باشوکت ہے کہ اَخلاقِ عاقلانِ جہان مُجتمع ہو کر اس کے ایک شِمّہ (یعنی قلیل مقدار) کو نہیں پہنچتے، پھر اس سے بڑھ کر اندھا کون جو تجھے ایسے لفظ سے یاد کرے۔

(فتاویٰ رضویہ)

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضورﷺ کے اخلاق سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ آپ کا اخلاق قرآن کریم ہے۔''

اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ کے اخلاق کا آئینہ قرآن کریم ہے۔اس میں بہت سے راز مضمر ہیں۔لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ فرمایا کہ آپ کا اخلاق قرآن کا آئینہ ہے۔یہ ان کی وسعت علم اور ادب کا ثبوت ہے۔تو جس ہستی کے اخلاق باکمال کی عظمتوں اور رفعتوں کی گواہی خود رب کائنات نے دے دی ہے، جس کا خُلق ہی قرآن قرار پایا اس کے اخلاقی اوصاف کے بارے میں کچھ مزید کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ام المومنین حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے الٹا ان پر سوال کر دیا کیا تم نے کبھی قرآن نہیں پڑھا جو مجھ سے حضور ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھتے ہو کیونکہ قرآن نے جو عمدہ اخلاق بتائے ہیں وہ سب کے سب اخلاق تو حضور ﷺ کے خلق عظیم میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے ایسے محبوب ہیں کہ ان سے محبت رکھنے کو اللہ نے اپنی محبت قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے سورہ آل عمران آیت 31: میں ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (سورہ آل عمران،3:31)

ترجمہ: اے حبیب! فرمادو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

گویا کہ اب اگر کوئی بارگاہ خداوندی میں محبت اور قربت کا طلبگار رہے تو اسے اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اختیار کرنا ہوگی کوئی اللہ کی بندگی پانا چاہتا ہے تو اسے پہلے اپنی گردن میں حضور ﷺ کی غلامی کا پٹہ ڈالنا ہوگا، کوئی بارگاہ خدا تک رسائی چاہتا ہے تو پہلے بارگاہ رسالت مآب تک پہنچنا ہوگا۔ کوئی بہترین اخلاق کا طلبگار رہے تو اسے اخلاق مصطفیٰ کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنا ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں کہ:

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

حضور ﷺ دنیا کے کامل ترین انسان ہیں کیونکہ زندگی میں بیک وقت اس قدر جامع اور متنوع اوصاف آپ میں نظر آتے ہیں جو کسی ایک انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا نہیں دیکھے اور یہ کمالات اور اوصاف کسی میں کبھی یکجا نہ ہوئے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کبھی آپ نے اپنے برا کہنے والوں سے نہ بدلہ لیا اور نہ اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں بددعا کی۔ البتہ حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم اور عذاب الٰہی سے ڈراتے رہے۔ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرنے آیا لیکن رعب نبوت سے کانپنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں بادشاہ نہیں ہوں۔ الغرض اخلاق کی تمام اعلیٰ خوبیاں اور اوصاف حضور ﷺ کی ذات بابرکات میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اور آپ کی سیرت مطہرہ ان تمام اخلاقی صفات کا جامع پیکر نظر آتی ہیں جو تاریخ نے کسی ایک انسان میں کبھی یکجا نہیں دیکھے۔ یہ حضور کی ذات مبارک ہی ہے کہ جس کے توسل سے انسان ظلمتوں اور تاریکیوں میں بھٹکنے کے بجائے صراط مستقیم پر آئے اور روشن ومنور راہوں پر گامزن ہو کر معرفتِ الٰہی کے جام پیئے۔ جس کے ذریعے دولت ایمان ملی اور جس کے ذریعے عرفان حق نصیب ہوا۔ جس کا وجود ہر نعمت کی تخلیق اور فروغ کا باعث بنا۔

آپ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِين" کہہ کر سارے جہانوں کے لیے سراپا رحمت قرار دے دیا۔ آپ تاجدار ختم نبوت کا تاج پہن کر آئے اور لا نبی بعدی کا مژدۂ جانفزا سنا دیا آپ کو اللہ رب العزت نے ''انا اعطینک الکوثر'' کہہ کر ایک عظیم نعمت کی ملکیت عطا فرمادی۔ آپ کا سینہ ''الم نشرح'' ہے تو

چہرہ ''والضحیٰ'' اور زلفیں ''واللیل''۔ محبوبیت کا عالم یہ ہے کہ خود رب کائنات اور اس کے سارے فرشتے آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ وہ نبی ہیں کہ جن کا مقام مقامِ محمود ٹھہرا۔ جن کے ذکر کی رفعتوں کا عالم یہ ہے کہ ''و رفعنالك ذكرك'' کہہ کر ان کا ذکر ہر شئ سے بلند کر دیا۔ جس کی نبوت ورسالت کو اتنی فضیلت عطا ہوئی کہ ''انی رسول الیکم'' تمام کائنات ارض وسماں کے لیے، ہر زمانے اور دور کے انسانوں کے لیے آپ پیغمبر آخر الزماں بن کر آئے، جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت قرار پائی۔ جن کی ہر ہر ادا اللہ کا امر اور حکم قرار پائی۔ آپ کی سیرت اور حیات مبارکہ کا ہر لمحہ پیغمبرانہ ہے۔ سیرت محمدی سچائی اور دیانت داری کا ایسا پیکر ہے کہ دشمن بھی صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو جائیں۔ اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا
ترے خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا نہ ہوگا شہا
ترے خَالق حسن و ادا کی قسم

اہم پیغام قوم مسلم کے نام: مگر صد حیف کہ جس امت کے نبی کی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تکمیل قرار پایا ہو، جس نے اخلاق کو اعلیٰ ترین اخلاقی اور روحانی اقدار سے نوازا ہو، آج اس کی امت کا اخلاق واحوال نہایت پستی کی حالت اختیار کر چکا ہے۔ آج اغیار ہمارے نبی کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر انسانیت اور اخلاق کی عظیم مثالیں قائم کر رہے ہیں، آپ اقوام مغرب کو دیکھ لیجئے سچائی، راست بازی، محنت، عدل وانصاف اور اخوت و ہمدردی جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا بظاہری صحیح مگر وہ اس کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ محنت کو عار نہیں سمجھتے، اپنے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ چوری، غیبت، بلا اجازت کسی چیز کو استعمال کرنے کی عادت ان میں نہیں پائی جاتی۔ آج اگر وہ دنیا میں کامیاب اور ترقی یافتہ ہیں تو یقیناً یہ انہیں اصول وضوابط پر کاربند رہنے کی وجہ سے ہیں کہ جو قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں، جو قرآن نے بتائے اور رسول اللہ نے عملی زندگی میں کر کے دکھائے۔

آج بھی ترقی وکامرانی کا راز سیرت نبوی کی پیروی میں ہے۔ بس ضرورت اس اَمر کی ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم، نظام معیشت ومعاشرت الغرض زندگی کے تمام پہلوؤں کو حضور ﷺ کے بتائے ہوئے اصولوں سے ہم آہنگ کریں اور سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کامل اسوہ حسنہ اور اپنے لیے بہترین نمونۂ حیات بنا کر اپنی سیرت اور اپنے کردار پر وفادار نبی کی چھاپ لگا کر غلامانِ مصطفیٰ بن کر اپنی زندگیاں گزاریں۔ ہمیں کسی دنیا دار کو اپنا آئیڈیل یا رول ماڈل بنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنا آئیڈیل سید ابرار، دونوں جہاں کے مالک ومختار کو بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں کسی ہیرو، کھلاڑی، بزنس مین کو اپنا رول ماڈل نہیں بنانا ہے بلکہ ہمیں اپنا ہادی ومقتدا محبوب پروردگار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنانا ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی زندگیوں میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے اسوۂ حسنہ کو شامل کر کے اپنی عقبی اور اپنی دنیا دونوں کو کامیاب بنائیں۔

زندگیاں بیت گئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا ایک باب بھی پورا نہ ہوا

سید منور علی شاہ قادری۔ حیات وخدمات کے چند گوشے

از۔ مفتی محمد انور علی رضوی منظری، سابق استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

سرزمین ہند کو قادری فیضان کی یہ برکات حاصل ہوئیں کہ سیدی سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منظور نظر، پروردۂ خاص، خادم خاص اور خلیفہ ومجاز حضرت سیدنا منور علی شاہ قادری بغدادی علیہ الرحمہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کی روحانیت کی آماجگاہ بننے کی اسے سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کا پورا نام شیخ الاولیاء حضرت سیدنا منور علی شاہ بغدادی ثم الہ آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۱؍رمضان المبارک ۴۹۱ھ مطابق ۱۵؍اگست ۱۰۹۸ء میں ہوئی۔ آپ کا حسب ونسب اس طرح ہے: حضرت شیخ منور علی شاہ بغدادی ثم الہ آبادی ولد حضرت شیخ عبداللہ قدس سرہ ولد حضرت شیخ عثمان قدس سرہ ولد سید الطائفہ، شیخ الشیوخ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ الشیوخ، ابوالقاسم حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ شجرۂ نسب میں حضرت سیدنا منور علی شاہ الہ آبادی کے دادا حضرت شیخ عثمان قدس سرہ کے دادا جان ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب صرف تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادی سے مل جاتا ہے۔ نیز شیخ الشیوخ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ شجرۂ طریقت میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھٹے پیر ومرشد ہیں۔ اس طرح حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ مرید و خادم خاص تو ہیں ہی مگر مرشد زادے بھی ہیں۔

حضرت شیخ منور علی شاہ قادری حضور غوث اعظم پیر پیراں، میر میراں، سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پروردۂ خاص، منظور نظر، مرید وخلیفہ مجاز خاص، خادم خاص بھی ہیں اور سرکار جنید بغدادی کی نسبت سے حضرت شیخ منور علی قادری، سرکار غوث الثقلین کے مرشد زادے اور مخدوم زادے بھی ہیں۔ بارگاہ غوثیت مآب قدس سرہ میں حضرت شیخ منور علی شاہ قادری کی یہ ہے وہ مقبولیت اور وہ خصوصیت جو بڑے بڑے اولیائے کرام کو بھی حاصل نہیں۔

حضرت منور علی شاہ قادی نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ عبداللہ علیہ الرحمہ کی سرپرستی اور اپنے بزرگوں کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل فرمائی۔ تقریباً اٹھائیس سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی جانب توجہ فرمائی اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن کرم سے وابستہ ہوگئے۔

غوث اعظم کی خدمت میں: حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا اور چونکہ آپ ۵۱۹ھ میں حضور غوث اعظم سے بیعت ہوکر ان کی خدمت میں تا حیات رہتے رہے تھے۔ اس طرح ۵۱۹ھ سے ۵۶۱ھ تک کل ۴۲؍سال کی یہ مدت ہوتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ منور علی شاہ اپنے پیر ومرشد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت بابرکت میں رہ کر ۴۲؍سال تک فیوض غوثیہ سے مشرف ہوتے رہے۔

سبحان اللہ! ۴۲؍سال تک بارگاہ غوث پاک میں رہ کر

فیوض و برکات اور انوار قادریہ سے شیخ منور علی روشن و منور ہو کر ایسے آفتاب شریعت اور مہتاب طریقت بنے کہ ساڑھے چھ سو برس کی لمبی عمر پا کر ہزاروں اولیاء، اصفیا، علما، اتقیا، عرفا، مشائخ کرام اور راہ سلوک و معرفت کے مسافروں کو علوم ظاہر و باطنی سے روشن و منور فرماتے رہے۔ آج بھی بے شمار لوگ ہمت گنج الٰہ آباد جا کر آستانۂ منوریہ سے فیض پاتے ہیں اور ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

لمبی عمر کا عطیہ: حضرت سیدنا منور علی شاہ قدس سرہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: ''مورخہ ۲۷ رویں ماہ شوال ۵۴۱ھ بروز بدھ کو ظہر کے وقت قطب ربانی، غوث صمدانی شیخ محی الدین ابو محمد سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وضو کرا رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: آب حیات کی کیا کیفیت ہے جس کے نوش کرنے سے حضرت خضر علیہ السلام کو حیات ابدی حاصل ہوئی؟ سرکار غوث اعظم نے ایک گھونٹ پانی اپنے سیدھے ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا: اس وقت فقیر کے ہاتھ میں ساڑھے چھ سو برس کی عمر کا آب حیات ہے۔ تو نوش کر لے۔ میں نے اسی وقت نوش کر لیا۔ اس وقت میری عمر پچاس برس کی تھی''۔ (حقیقت گلزار صابری صفحہ ۱۱۸)

خصوصیات: تاریخ اولیائے کرام سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک پیر و مرشد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیات ظاہری میں رہے اس وقت تک شیخ منور علی شاہ مستقل طور پر سرکار پیر و مرشد سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جدا نہ ہوئے۔ آپ نے خود ارشاد فرمایا کہ مجھ سے کبھی کبھی اور بھی خدمت لے لی جاتی تھی اور کہیں بھیج بھی دیا جاتا تھا مگر جدائی بعد وصال ہوئی۔

ایک واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد حضرت شیخ سید کبیر الدین شاہ دولہا گجراتی نے حضرت شیخ سید عبد الوہاب جو کہ شہزادۂ حضور غوث اعظم ہیں، ان کو سرکار غوث اعظم کا جانشین مقرر کیا۔ پھر حضرت شیخ منور علی اور حضرت شاہ دولہا گجراتی گجرات تشریف لے آئے۔ اس کے بعد شیخ منور علی شاہ سولہ سال حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہا گجراتی سے بھی مزید روحانی فیض حاصل کرتے رہے اور حضرت شاہ دولہا نے شیخ منور علی شاہ کو بقیہ تربیت علوم باطنی سے مزین و منور کیا۔ اپنی اجازت مع تبرکات غوث اعظم سے سرفراز فرمایا اور چند ہدایات دے کر الٰہ آباد کے لیے رخصت کر دیا۔

حضرت منور علی شاہ اور مخدوم کلیری: سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ، قطب الاسرار، امام طریقت حضرت سید کبیر الدین شاہ دولہا گجراتی قدس سرہ نے مؤرخہ ۱۷ ربیع الاول شریف ۵۸۷ھ دوشنبہ مبارکہ کو عصر کے وقت حضرت شیخ منور علی شاہ بغدادی الٰہ آبادی کو ساری خلافتیں، اجازتیں اور غوث اعظم کے خاص تبرکات عنایت فرمائے۔ اس کے ساتھ ہی ایک بہت بڑی خدمت آپ کے سپرد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''جب علی احمد صابر کلیری کے عروج ولایت کا زمانہ آئے اور آپ کو باطنی طور پر اس کی اطلاع مل جائے تو یہ تمام تبرکات اور امانتیں ان کے حوالے کر دینا۔

تقریباً ۶۰۰ ربرس کے بعد حضرت مخدوم صابر کلیری قدس سرہ پیدا ہوئے اور جب عروج ولایت کا زمانہ آیا تو ان کی خدمت میں حضرت منور علی شاہ قدس سرہ نے وہ امانتیں ان کو پہنچوا دیں۔

الٰہ آباد میں تشریف آوری: سیدی سرکار منور علی شاہ قادری جس زمانہ میں الٰہ آباد تشریف لائے اس وقت یہاں راجاؤں اور مہاراجاؤں کا دور دورہ تھا۔ الٰہ آباد آنے کے بعد آپ نے جنگل کی راہ لی اور اس میں مستقل طور پر رہنا شروع کر دیا۔ وہ جنگل انتہائی پُرخطر تھا۔ ہزار قسم کے چرندے و درندے اس جنگل میں موجود تھے۔

راجہ کاشی اور شکار: اس علاقہ کے راجہ مہاراجہ چونکہ اسی جنگل میں کبھی کبھار آجایا کرتے تھے اور شکار کھیلتے تھے جو ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ چنانچہ ایک دن کاشی کا راجہ جب شکار کھیلنے کے لیے اس جنگل میں آیا تو شکار کھیلتے کھیلتے وہ بعینہ اسی مقام پر آ گیا کہ جہاں آپ کا قیام تھا۔ اسی درمیان راجہ کو ایک شیر دکھائی دیا جس پر اس نے نشانہ لگایا تو وہ نشانہ اپنے ہدف پر درست لگ گیا۔ جیسے ہی تیر لگا تو وہ شیر اسی جگہ پر غائب ہو گیا۔ راجہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ تیر لگے اس شیر کو ڈھونڈھ کر کے لائیں۔ جب اس کے ساتھی شکار تک پہنچے تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ زخمی شکار کوئی شیر نہیں تھا بلکہ ایک سفید ریش بزرگ تھے اور راجہ کا چلایا ہوا تیر ان کی گردن میں پیوست تھا۔ راجہ کے وہ سارے ہمراہی گھبرائے ہوئے واپس آئے اور ساری کیفیت سے راجہ کو آگاہ کرایا۔ راجہ بھی گھبرایا اور اسی گھبراہٹ میں وہ خود ہی اس سفید ریش بزرگ کے پاس پہنچا۔ ان کے گلے میں تیر پیوست دیکھ کر بہت نادم ہوا۔ معافی تلافی کرنے لگا۔ راجہ کو ان سفید ریش بزرگ سے بے پناہ عقیدت ہو گئی۔ باتوں باتوں میں راجہ نے ان سے اپنی تمام گھریلو پریشانیوں کا ذکر کیا۔ وہ سفید ریش بزرگ جن کے گلے میں تیر لگا تھا وہی حضرت منور علی شاہ تھے۔ راجہ نے آپ کو محل سرا میں تشریف لانے اور علاج و معالجہ کے لیے پیش کش کی مگر ہزار منت وسماجت کے بعد بھی آپ نہ مانے اور جنگل ہی میں زندگی گزارنے کو اپنے حق میں بہتر سمجھا۔

راجہ کاشی کو اولاد کا عطیہ: راجہ بے اولاد تھا اس لیے اس نے آپ کے سامنے اولاد کی تمنا ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد ضرور عطا کرے گا مگر شرط یہ ہے کہ تم اپنی پہلی اولاد کو بطور نذر میری خدمت کے لیے میرے پاس چھوڑ دو گے۔ راجہ نے آپ کی یہ شرط مان لی۔ کچھ دنوں کے بعد راجہ کے گھر میں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی۔ راجہ اور رانی خوشی خوشی نومولود بچے کو آپ کی خدمت میں لائے اور نذر کرنا چاہا مگر آپ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ ابھی آپ لوگ محل سرا میں لے جائیے۔ جب بڑا ہو جائے تو پھر یہاں لے آنا۔ حسب الحکم راجہ اور رانی اپنے بچے کو محل سرا واپس لے گئے۔ شاہانہ انداز میں تعلیم و تربیت ہونے لگے۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا رہا والدین کی محبت مزید بڑھتی رہی۔ ایک دن وہ آیا کہ راجہ فرط محبت سے اپنا وعدہ فراموش کر بیٹھا اور نیت یہ کر لی کہ یہ بچہ میرے ہی پاس رہے گا۔ یہ خیال پیدا ہوتے ہی شام کے وقت بچہ گھر سے غائب ہو گیا۔ بہت تلاش کیا مگر کہیں نہ ملا۔ لہٰذا اپنی پریشانی کا ذکر اور اپنے بچے کی گمشدگی کی اطلاع دینے کے لیے جب راجہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ بچہ آپ کی خدمت میں موجود ہے۔ راجہ اپنی طاقت کے بل بوتے بچے کو اپنے ساتھ لے آیا۔ آپ نے فرمایا: زبردستی بچے کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہو مگر روک نہ سکو گے۔ راجہ بچے کو سخت حفاظتی بندوبست میں رکھنے لگا مگر ہوتا یہ تھا کہ اس قدر سخت

پہرے داری کے باوجود بھی بچہ رات میں غائب ہو جاتا۔ جب کسی طرح وہ اپنے بچے پر قابو نہ پا سکا تو مجبوراً اپنے بچے کو راجہ کاشی نے آپ کے دربار میں چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دن لے جا کر وہ اپنے بچے کو آپ کی خدمت میں جا کر چھوڑ آیا۔

(مشائخ قادریہ صفحہ ۹۴)

حضرت غلام قادر شاہ منوری: حضرت منور علی شاہ قادری نے راجہ کے اس بچے کا نام غلام قادر رکھا اور بہت محبت وشفقت کے ساتھ اس کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ حضرت شاہ غلام قادر منوری کو حضرت منور علی شاہ قادری قدس سرہ سے ایسی گہری عقیدت ومحبت تھی کہ آپ کی اس پاکیزہ عقیدت ومحبت کو دیکھ کر حضرت منور علی شاہ قادری نے ارشاد فرمایا: وصال کے بعد تمہارا مزار بھی یہیں بنے گا اور جو میرے پاس آنا چاہے گا وہ پہلے تمہارے پاس حاضری دے گا پھر میرے پاس آئے گا۔ حضرت منور علی شاہ صاحب کا یہ کہنا اس طرح سچ ثابت ہوا کہ حضرت غلام قادر شاہ کا مزار شریف حضرت شیخ منور علی شاہ قادری علیہ الرحمہ کے سامنے پچھّم کی جانب اس طرح واقع ہے کہ مزار میں داخل ہونے والے کو حضرت غلام قادر شاہ کے مزار پر آنا پڑتا ہے اور پھر اس کے بعد حضرت منور علی شاہ علیہ الرحمہ کی تربت پر جاپاتا ہے۔

(گلزار قادری صفحہ ۲۶۹)

وصال و مزار مبارک: مظہر غوث اعظم، شہنشاہ الٰہ آباد، شیخ الاولیاء حضرت سیدنا شیخ منور علی شاہ قادری علیہ الرحمہ کا وصال ۴؍ جمادی الاخری ۱۱۹۹ھ کو ہوا۔ محلّہ ہمت گنج الٰہ آباد میں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ (حقیقت گلزار صابری)

''کاغذ ہوا دل اور قلم ہوگئیں آنکھیں''

از۔ مولانا سلمان فریدی مسقط عمان

آغازِ مُحرَّم ہوا، نَم ہوگئیں آنکھیں
دل رو پڑا، اور چشمۂ غم ہوگئیں آنکھیں

یاد ایسی، کہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا
کربَل کے تصور میں ہی ضَم ہوگئیں آنکھیں

نکلا ہے کفن باندھ کے خود ذوقِ شہادت
ابرو بنے تلوار، عَلَم ہوگئیں آنکھیں

ہر ایک حسینی کو نئی تاب ملی ہے
جرأت کے اجالوں کا حرم ہوگئیں آنکھیں

پایا ہے شہیدوں نے ''بل احیآء'' کا مژدہ
یوں چرخِ بقا پر وہ رقم ہوگئیں آنکھیں

جب مل گیا شبیر کی چاہت کا اجالا
کیا شان کہ تنویرِ اِرَم ہوگئیں آنکھیں

ہے ایسا ادب، محفلِ کونین میں اُن کا
نام آیا تو سر جھک گیے، خَم ہوگئیں آنکھیں

میں اُن کی عطاؤں کے تو لائق ہی نہیں تھا
رونے لگیں اور وجہِ کرم ہوگئیں آنکھیں

ہر وقت شہیدوں کے خیالات میں گم ہیں
ہے ایسا اَلَم، خود ہی الم ہوگئیں آنکھیں

سب فیصلے اندازِ نظر پر ہوئے موقوف
آیا جو محرم، تو حَکَم ہوگئیں آنکھیں

یہ رنگ ادب دیکھیے! الفت کے سفر میں
خود ذوقِ طلب، خود ہی قدم ہوگئیں آنکھیں

اشکوں سے فریدیؔ نے لکھی ان کی حکایت
کاغذ ہوا دل اور قلم ہوگئیں آنکھیں

دلاور جنگ مولانا شاہ احمد اللہ قادری مدراسی کی مجاہدانہ سرگرمیاں

از۔ مولانا محمد شہاب الدین رضوی

برطانوی سامراج نے ہندوستان پر قبضہ کے ارادے سے ۱۷۰۰ء کے عہد ہی سے کوششیں شروع کر دی تھیں۔ تجارت کے بہانے ہندوستان میں داخل ہوئے، غریب اور کمزور مزدوروں کو پہلے اپنے دام میں لیا، پھر پاؤں پسارنے شروع کر دیے، بعدۂ تجارت کے بجائے ملک پر قبضہ کی پالیسی بنا کر آہستہ آہستہ ایک ایک صوبے کو اپنے قبضے میں لیتے گئے۔ پہلے بنگال کو اپنا تجارتی اور سیاسی مرکز بنایا، پھر دوسرے صوبہ جات میں اپنا سیاسی اثر و رسوخ بھی قائم کرتے گئے، جبکہ دوسری طرف مغل حکمراں خواب خرگوش کی طرح اطمینان و سکون کے ساتھ سارا چمن برباد ہوتے ہوئے دیکھتے رہے، بالآخر آخری مغل تاجدار ابوظفر محمد سراج الدین المعروف بہادر شاہ ظفر اپنے محل میں گرفتار کر لئے گئے، اور دوسرے دن ان کے ناشتہ میں ان کے دونوں فرزندوں کے سر قلم کر کے انگریزوں نے پیش کر دیے۔

راقم ذیل میں ایک ایسی شخصیت کا تعارف کرانے جا رہا ہے جس کو ہم نے فراموش کر دیا ہے، وہ عظیم ہستی جس نے اپنے شاندار مجاہدانہ کارناموں سے برطانوی سامراج کے چھکے چھڑا دیے تھے۔ وہ ذات ہے دلاور جنگ نامور مجاہد آزادی حضرت مولانا شاہ احمد اللہ قادری فاروقی کی۔ تاریخی احوال راقم کو جتنے مل سکے، ان کو قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

خاندانی پس منظر: مولانا شاہ احمد اللہ قادری مدراسی کے اجداد کرام اصلاً لکھنؤ سے متصل قصبہ ''گوپامئو'' ضلع ہردوئی کے باشندے تھے، یہ قصبہ ماضی قریب میں علماء اور اولیاء کے وجود کی وجہ سے بہت مبارک و تاریخی مقام مانا جاتا رہا ہے۔ سلسلۂ صدیقی کے خانوادے اور سلسلۂ نسب فاروقی کے خاندانی بڑے بڑے منصب پر فائز تھے، کوئی قاضی القضاۃ تھا، تو کوئی مفتی صدر شریعت۔ بڑے نامی علمائے کرام صاحبان برکت و عظمت آسودہ خاک ہیں۔ اسی خاندان فاروقی سے شاہ احمد اللہ قادری کا بھی تعلق ہے۔

آپ کے جد امجد نواب عالی جاہ اول محمد علی فاروقی والی کرناٹک کو شہادت و شجاعت کے صلے میں ''آرکاٹ'' کی نوابی ملی تھی۔ نواب محمد علی فاروقی کا انتقال ۱۲۱۰ھ میں ہو گیا۔ اسی سن میں نواب غلام حسین ''عمدۃ الامراء والا جاہ دوئم'' مسند نوابی پر بیٹھے، جن کا انتقال ۱۲۱۶ھ میں ہوا۔ یہ بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی کے شاگرد تھے۔

(پاکان امت از مولانا محمود رفاقتی ج ۲ ص ۲۶۰)

وطن عزیز ملک ہندوستان پر انگریز کی استعماری حکومت مستحکم ہونے کے بعد میں، ہندوستان کے خیر اندیش اور غیرت مند جوانوں نے نئے عزم و ہمت، حمیتِ ملّی، اور غیرت وطن کا وہ شعلۂ جوالہ بلند کیا جو دہلی اور آگرہ میں چمکا، سرزمین اودھ میں چٹخا اور روہیل کھنڈ میں شعلہ افشاں ہونے کے ساتھ ساتھ اس نے ملک کے اطراف و اکناف میں آزادیِ وطن کی ایک نئی امید جگانے کی کوشش

کی۔ آزادیِ وطن کے اس اہم واقعہ کو بعض مؤرخین نے پہلی جنگِ آزادی اور بعض مصنّفین نے اس کو غدر سے تعبیر کیا ہے۔ ناکام جنگِ آزادی میں علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا مفتی رضا علی خان نقشبندی بریلوی، اور مولانا شاہ احمد اللہ قادری مدراسی کا کام بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جس نے ۱۹۴۷ء میں اصل آزادی دلائی۔

سلسلۂ نسب اور ولادت: تاریخِ آزادی کے ہیرو، وطن عزیز کے بہادر فرزند، فداء ملک وملت، سلطان فتح علی عرف سلطان ٹیپو شہید کے ساتھیوں میں ایک اہم نام سید محمد علی کا ہے، جو ''چنیاپٹن'' (کرناٹک) کے نواب تھے۔ ۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء یا ۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء میں ان کے گھر احمد علی نامی بچہ پیدا ہوا۔ عرفی نام ضیاء الدین اور خطاب دلاور جنگ پڑا۔ اور یہی بچہ بعد میں احمد اللہ شاہ مدراسی یا احمد اللہ شاہ فیض آبادی کے نام سے مشہور ہوا۔

(مفتی انتظام اللہ: ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، طبع اول، فاروقی پریس دہلی، سن ندارد ص ۱۴)

نواب احمد علی کا سلسلۂ نسب گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان سے بھی ہے۔ ان کے اجداد ایک طرف چنیاپٹن کے رئیس اور نواب تھے، تو دوسری طرف اپنے زمانہ کے ولی اور قطب۔ آپ کے مرید خاص مولانا فتح محمد تائب لکھنوی نے لکھا ہے کہ: شاہ احمد اللہ کی رسم تسمیہ خوانی پانچ برس کی عمر میں ہوئی۔ مگر تائب لکھنوی نے اس مبارک تقریب کے ادا کرنے یا کرانے والے کا نام نہیں لکھا ہے۔ تاہم یہ سمجھنا قرین قیاس ہے کہ اس تقریب کو حضرت بحر العلوم قدس سرہٗ نے انجام دیا ہوگا۔

(تواریخ احمدی از مولانا تائب لکھنوی، ص: ۱۲، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

تعلیم اور تربیت: مولانا شاہ احمد اللہ قدس سرہٗ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی، بعدہٗ فرنگی محل میں داخلہ لیا، کرناٹک، مدراس اور حیدرآباد میں بھی سلسلۂ تعلیم کے کچھ ایام گزارے۔ بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی، مولانا عبد الرب فرنگی محلی، اور مولانا علاء الدین فرنگی محلی سے خصوصیت کے ساتھ درس لیا۔ علوم عقلی ونقلی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد، فنون سپہ گری کے حصول میں مشغول ہوکر ان میں مہارت حاصل کی:

جو مکتب سے ان کو فراغت ملی
بڑھا سوئے شمشیر شوق دلی

(پاکان امت از مولانا محمود رفاقتی، ج ۲ ص ۲۶۱)

بچپن ہی سے ان کا طبعی میلان اوراد و وظائف کی طرف تھا۔ نماز، روزہ اور احکام شریعت کے سخت پابند تھے۔ ہر عمل میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری سمجھتے تھے۔ وہ اصلاً ''صوفی'' مزاج تھے، مگر حرّیت پسند تھے۔ والدین سے ٹیپو سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کی تباہی کا حال سنا تو حکومت اور مال و دولت سے دل بیزار ہوگیا۔

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جنوری ۲۰۲۴ء)

سنہ ۱۶۸۷ء میں حضرت اورنگزیب عالمگیر نے ''گولکنڈہ'' پر قبضہ کر کے قطب شاہی خاندان کا خاتمہ کیا۔ آخری بادشاہ ابوالحسن تانا شاہ تھے، جو عبد اللہ قطب شاہ کے داماد تھے۔ جب اس خاندان

میں حکومت نہ رہی تو ابوالحسن کے پوتے ''چنیاپٹن'' جا بسے اور وہاں کے نواب کہلائے۔ اس خاندان کے نامور بزرگ سید جلال الدین عادل تھے۔

(مفتی انتظام اللہ: ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۱۵)

سیاحت و بیعت: ۱۶/ ۱۷ سال کی عمر میں سیاحت کا شوق ہوا۔ سب سے پہلے حیدرآباد گئے اور نظام کی فوج میں شامل ہوکر مرہٹوں کے خلاف خوب لڑے، یہیں پر انہوں نے شادی کی مگر جلد ہی زوجہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد یورپ کے سفر کا قصد کیا۔ اور لندن جا کر ملکہ وکٹوریہ کے مہمان ہوئے۔ وہاں سے واپس ہوکر بعض عرب ممالک کا دورہ کیا۔ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوئے۔ پھر ایران ہوکر چین کے راستے سے ایک عرصہ کے بعد ہندوستان پہنچے اور بیکانیر کے ''سانبھر'' کے علاقے میں ڈیرے ڈال دیے اور خانقاہ بنائی۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۱۵)

سانبھر میں دنیا بیزاری، چلہ کشی، اور مجاہدہ و ریاضت میں بارہ برس گزارنے کے بعد مراحل سلوک طے کرنے، اور روحانی کمالات حاصل کرنے کے لیے جے پور جا کر حضرت قربان علی شاہ قدس سرہٗ کے دست مبارک پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ حضرت قربان علی شاہ نے جس طرح روحانی فیوض وکمالات سے مالا مال کیا اور سماع کی اجازت دی، اسی طرح اصلاح صوفیہ اور تنظیم مجاہدین کا فرض بھی ان کے ذمہ کر دیا۔ یہیں ان کا نام ''سید احمد علی'' کے بجائے ''احمد اللہ شاہ'' ہوگیا۔ پیر و مرشد حضرت میر قربان علی شاہ کے ایماء پر مولانا احمد اللہ شاہ صاحب، نواب وزیرالدولہ کے پاس ٹونک تشریف لے گئے۔ لیکن ٹونک کی آب و ہوا ناموافق لگی تو شاہ صاحب ٹونک سے رخصت ہوکر گوالیار پہنچے، اور شہر کے مشہور بزرگ حضرت محراب شاہ قلندر قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھتے ہی بزرگ نے کہا: میاں میں تو تمہارا عرصہ سے منتظر ہوں اور جو امانت بزرگوں سے لیے ہوئے بیٹھا ہوں لگتا ہے اب اس کی سپردگی کا وقت آ گیا۔

(مفتی انتظام اللہ: ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۱۹)

محراب شاہ سے مولانا احمد اللہ شاہ کی بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد میاں دیوبندی نے لکھا ہے:

''مولانا سید احمد اللہ شاہ صاحب نے قلندر صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا چاہا، تو داخلہ کی شرط یہ تھی کہ جہاد کی سوکھی رگوں میں تازہ خون دوڑائیں گے اور وطن عزیز کو انگریزوں سے نجات دلائیں گے۔ شاہ صاحب نے بسر وچشم یہ شرط منظور کی اور سلسلۂ قادریہ میں آپ سے بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کرلیا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ کتنے عرصہ آپ نے گوالیار میں قیام کیا۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شمارہ ۱، ج ۹۲، محرم الحرام، ۱۴۲۹ھ / جنوری، ۲۰۰۸ء)

انگریزوں کے خلاف شوق جہاد: مولانا شاہ احمد اللہ قدس سرہٗ کو انگریزی اور انگریزوں کی حکومت سے سخت نفرت تھی۔ ان کے دل و دماغ میں جہاد بھرا ہوا تھا، اس لئے ان کی مساعیِ جمیلہ جہادی سرگرمیوں میں خوب منہمک رہتی تھی۔ مشہور تذکرہ نگار مولانا مفتی محمود

احمد قادری رقم طراز ہیں: ''جماعت علماء کی تشکیل کی، لکھنؤ پہنچے، خلقت گرد آ کر جمع ہوئی، جہاد کی نفیر عام کی، فیض آباد میں شہید ہوئے، راہ پا کر مصروف جہاد ہوئے، دلاور الملک احمد اللہ شاہ کا اصلی نام نامی احمد علی تھا۔''

(پاکان امت از مولانا محمود احمد قادری، ج ۲ ص ۲۶۱)

اسی وجہ سے آپ کو ''فیض آبادی'' بھی کہا جاتا ہے۔

دہلی مرکز سیاست کی حالتِ زار: پیر طریقت حضرت محراب علی شاہ کے شرائط بیعت پر عزم وعمل کا وقت آیا تو قدرتی طور پر حضرت مولانا احمد اللہ شاہ کی نظر دہلی کی طرف اٹھی۔ چنانچہ ۱۸۴۶-۱۸۴۷ء میں دہلی تشریف لائے تا کہ انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جا سکے۔ محمد میاں دیوبندی نے ان کے دہلی تشریف لانے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

(۱) اگرچہ انگریزی اقتدار کا مرکز کلکتہ اور اس کا فورٹ ولیم تھا، مگر ہندوستانیوں کی سیاست کا مرکز اب بھی دہلی تھا۔

(۲) یہاں مغل سلاطین کا جانشین موجود تھا، جو سیاسی لحاظ سے مفلوج ومجبور ہونے کے باوجود ان بیشمار ہندوستانیوں کے جذبات پر حکمراں تھا، جو مغلِ اعظم ہی کے کسی وارث کو سلطنت وحکومت کا صحیح مستحق سمجھتے تھے۔

(۳) یہی دلی تھی جس کی ولی اللّٰہی تربیت گاہ میں ''روح انقلاب'' نے جنم لیا تھا۔ جہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی تربیت گاہِ سیاسی میں وطنِ عزیز کو نجات دلانے کی تحریک پروان چڑھی تھی، اور اس نے اپنا دورِ شیر خوارگی پورا کیا تھا۔

ان وجوہات کی بناء پر مولانا سید احمد اللہ شاہ کا قدم سب سے پہلے دہلی کی سمت اُٹھنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لیکن اس وقت کی صورت حال نے جو نزاکتیں پیدا کر دی تھیں، ان کا احساس مولانا سید احمد اللہ شاہ صاحب کو گوالیار میں نہیں ہو سکا، یا پوری طرح نہیں ہو سکا۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شمارہ ۱، ج ۹۲ محرم الحرام، ۱۴۲۹ھ/جنوری، ۲۰۰۸ء)

وہ دہلی تشریف لائے مگر دہلی کو امید کے برخلاف پا کر بہت مایوسی ہوئی۔ اس وقت دہلی کے حالات بدل چکے تھے۔ جن کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں:

''قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں حکمرانی تھی۔ غرض کہ نام نہاد کی بادشاہی تھی مگر مسلم قوم اس پر بھی مگن تھی، ہر ایک ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، اپنی اپنی دلچسپیوں میں لگا ہوا تھا، شہزادے رنگ رنگیلیوں میں مست تھے، بدکاری بڑھی ہوئی تھی، زمانہ کہاں سے کہاں لے جا رہا تھا، اس طرف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ علماء وصوفیہ کو اپنے نام و نمود، وتن آسانی اور شکم پروری سے فرصت نہ تھی۔''

دہلی کا یہ رنگ دیکھ کر شاہ صاحب دنگ رہ گئے۔ پھر بھی شیوخ طریقت اور علماء وصوفیہ سے تبادلۂ خیالات کر کے علم بغاوت بلند کرنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر افسوس کہ کوئی تیار نہ ہوا۔ صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ نے مشورہ دیا کہ: آگرہ جا کر اصلاحی تحریک کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس مشورہ کو قبول کرتے ہوئے آپ نے آگرہ کا رخ کیا۔

خفیہ مہم: مولانا شاہ احمد اللہ نے جذبۂ جہاد آزادی سے سرشار

۱۸۴۶ء میں اپنی خفیہ مہم کا جال پھیلانا شروع کیا، ۱۸۴۷ء میں دہلی، آگرہ، لکھنؤ، پٹنہ، کلکتہ وغیرہ جیسے مشہور اور مرکزی شہروں میں خفیہ جال بچھا کر فوجوں میں اپنے انقلابی افراد شامل کر دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے میرٹھ میں ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو فوج نے انقلاب برپا کر دیا۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی، بابت جنوری فروری ۲۰۲۴ء/ ۱۴۴۵ھ)

آگرہ میں تشریف آوری: مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اکبرآباد یعنی آگرہ پہنچے، محمد میاں دیوبندی نے ان کے آگرہ تشریف لانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مختلف سلسلۂ تلمذ کے فضلاء یہاں رونق افروز تھے اور آگرہ گلہائے رنگا رنگ کا گلدان بنا ہوا تھا۔ ایک عوامی تحریک کا لالہ زار ایسا ہی گلستان بن سکتا تھا۔ دہلی کے ارباب بصیرت نے اسی مصلحت سے آگرہ کو منتخب کیا اور حضرت مولانا سید احمد اللہ صاحب شہید کی عنان توجہ دہلی سے آگرہ کی طرف منعطف کی۔''

مفتی انتظام اللہ شہابی آگرہ کے قدیم باشندے ہیں، ان سے زیادہ آگرہ کے حالات اور ماضی قریب کی تاریخ سے کون واقف ہوسکتا ہے۔ وہ آگرہ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جاٹوں اور مرہٹوں کے زمانے میں آگرہ کی حالت بے حد زبوں ہوچکی تھی۔ ملا ولی محمد شاہ کی درسگاہ محلّہ بادگنج میں تھی۔ مولوی شمس الضحیٰ اور مولوی بدرالدجی، اور میر اعظم علی اعظم اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل عالم تھے۔ مولوی محمد معظم جن کے مکتب میں مرزا غالب نے پڑھا۔ میاں نظیر کا مکتب محلّہ مائی تھان میں تھا۔ یہاں ہندوؤں کے چند بچے تعلیم پاتے تھے۔ حکیم غلام قطب الدین خاں باطن (صاحب نغمۂ عندلیب) وخلیفہ گلزار علی اسیر یہ ان کی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ مولوی امجد علی اصغر کا مدرسہ محلّہ تاج گنج میں تھا۔ یہ تھی کل کائنات اکبرآباد کے درس و تدریس کی۔ گنتی کے چند لوگ پڑھے لکھے تھے، قاضی سید باسط علی خاں ہمدانی آگرہ کے ''قاضی القضاۃ'' تھے۔ مرہٹوں نے اُن کو معزول کر کے لکّو بھٹ کو قاضی القضاۃ بنا دیا۔ باسط علی حال مرافعہ کرنے شاہ عالم ثانی کے پاس دہلی پہنچے۔ البتہ مرہٹوں نے کچھ خانقاہوں کو جاگیریں ضرور دیں۔ بہر حال حکمران طبقہ کا اثر یہ تھا کہ مسلمان شعائر اسلامی سے دور ہٹ گئے تھے۔ نماز روزہ کی طرف سے تغافل برتا جاتا تھا۔ متولیان مسجد جامع اکبری نے مسجد کی زیریں دکانیں ہندوؤں کے ہاتھ رہن رکھ دی تھیں۔ جامع مسجد کا مصرف صرف یہ رہ گیا تھا کہ اس کے صحن میں کبوتروں کی قلقلیں کھڑی کی جاتی تھیں اور سوتی رسی بٹنے کے کرگھے لگے ہوئے تھے۔ بیچ کے در میں چند چٹائیاں پڑی رہتی تھیں۔ گنتی کے لوگ نماز پڑھتے تھے۔ جمعہ کی نماز میں بیس پچیس مسلمان شریک ہوتے تھے۔ امیر الامراء ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے زمانہ سے البتہ تعزیہ داری کا رواج بڑھ گیا تھا۔ تعزیوں پر عرضیاں چڑھتیں، چڑھاوا صدہا روپیہ کا چڑھتا، تعزیہ کا ساتویں اور نویں کی شب میں ''ناف شہر'' کا گشت کرایا جاتا تھا۔ عمائد شہر ہاتھ باندھ کر ساتھ ساتھ تعزیہ کے ساتھ چلتے اور کاندھا دیتے۔ دسویں کی صبح الوداع پڑھی جاتی۔ ہزارہا مسلمان عورت مرد جمع ہوتے تھے، حتیٰ کہ مولانا غلام امام شہید الوداع پڑھتے تھے۔ بچوں کو تعزیہ پر رہن رکھا جاتا وغیرہ وغیرہ۔ مسلمانوں میں عام طور سے ہندوانی رسوم کی گرم بازاری تھی۔ دیوالی اور ہولی

میں برابر ہندوؤں کے شریک ہوتے۔ اس کیفیت کا پورا نقشہ میاں نظیر نے اپنی نظمیات میں کھینچا ہے۔ ان کے پوتے سوانگ بھرتے تھے اور شہر کا گشت لگاتے۔ ''سیتلا'' کے مندر کے ہندو اور مسلمان ہر دو مجاور اور مہنت چڑھاوے کے برابر کے حصہ دار ہوتے تھے۔ یہی حال کمال خان کے کنوئیں کا تھا، یہ تھی عام حالت مسلمانوں کی۔ صدر نظامت ۱۸۲۵ء میں الہ آباد سے آگرہ آیا تو علماء جو وابستگان صدر تھے، وہ بھی ساتھ آئے۔ تب یہاں علماء کی صورتیں نظر آنے لگیں۔ پہلے جمعہ میں مولوی سراج الاسلام پیش کار نے نماز جمعہ پڑھائی، تو اسی (۸۰) آدمی اس میں شریک تھے۔ تمام شہر میں یہ شہرہ تھا کہ عظیم الشان جمعہ ہوا۔''

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۱۲ تا ۱۴)

حضرت مولانا سید احمد اللہ شاہ کے لیے آگرہ بالکل اجنبی شہر تھا۔ یہاں رہ کر عوام کا اعتماد حاصل کرنا اور تحریک قائم کرنے کیلئے ایک عرصہ کی ضرورت تھی۔ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی نے دہلی سے ان کو روانہ کرتے ہوئے اس ضرورت کی بھی تکمیل کر دی۔ انہوں نے مفتی انعام اللہ خاں بہادر وکیل سرکار کے نام ایک خط لکھا۔ جس کو لے کر مولانا احمد اللہ شاہ، مفتی صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، جو اس وقت اہل علم کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہیں پر مولانا احمد اللہ شاہ سکونت پذیر ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہاں عوام وخواص کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہونے لگا، ان کی مقناطیسی شخصیت نے شہر کے علماء کرام، مفتیان عظام، وکلاء اور ڈاکٹر زحتیٰ کہ ہنود کو بھی جمع کر لیا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی اس مقبولیت بین الناس والخواص کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہر ایک نے شاہ صاحب کو آنکھوں پر جگہ دی۔ مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی جیسے لوگ شاہ صاحب کے گرویدہ ہو گئے، ذکر وفکر کے حلقے قائم ہونے لگے، مریدین کا جمگھٹا بڑھنے لگا۔ مسلمان تو مسلمان ہنود بھی معتقد ہونے لگے۔ بابو بنی پرشاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کا معتقد تھا۔''

آگرہ میں شاہ صاحب نے سماع اور وعظ کی محفلیں سجائیں، جلوس نکالے، اور تیر وتفنگ کی مشقیں بھی جاری کیں۔ جلوس میں ڈنکا ضرور بجایا جاتا تھا، اس لئے عوام میں وہ ڈنکا شاہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ محمد میاں دیوبندی نے لکھا ہے:

''بہر حال حضرت سید احمد اللہ شاہ صاحب کے حلقۂ بیعت وارادت نے وسعت اختیار کی۔ محفل سماع خود ایک کشش رکھتی ہے۔ یہاں علم وفضل کے ساتھ قوت خطابت کا یہ عالم تھا کہ جہاں آپ کے وعظ کا اعلان ہوتا، ہندو مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم ہو جاتا، اب ایک وقت ذکر وشغل اور مراقبہ کا سلسلہ ہوتا، دوسرے وقت محفل سماع کی گرمجوشی۔ کبھی عام جلسے ہوتے جن میں دس دس ہزار کا اجتماع ہوتا۔ سننے والے بے قرار ہو جاتے، ہر شخص قربان اور فدا ہونے کا عہد کرتا۔ دوسرے تیسرے روز نماز عصر کے بعد قلعہ اکبر آباد کے میدان میں فن سپہ گری کی مشق کرائی جاتی، خود شاہ صاحب بہترین نشانہ باز تھے، تلوار کے ہاتھ بھی بہت جچے تلے ہوتے تھے۔ آپ کہیں تشریف لے جاتے تو مریدین کا ہجوم ساتھ ساتھ رہتا۔ آگے آگے ڈنکا بجتا۔ اس لئے آپ کو ڈنکے والا پیر یا ڈنکا شاہ کہا جاتا۔''

(ماہنامہ دار العلوم دیوبند، شمارہ ا ج ۹۲ محرم الحرام، ۱۴۲۹ھ)

آگرہ سے کانپور اور لکھنؤ: شاہ صاحب بھی آگرہ ہی میں مقیم تھے کہ اودھ میں مولانا امیر علی قدس سرہٗ کی شہادت کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس کی تفصیلات کا علم ہونے پر انہوں نے فرمایا۔ ''اب ہمارے کام کا وقت آ گیا۔'' چنانچہ سب سے پہلے گوالیار جا کر اپنے پیر و مرشد حضرت محراب شاہ قلندر سے اودھ جانے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر لکھنؤ جانے کا قصد کر لیا اور آگرہ پہنچ کر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ مریدین کا بھی ایک جم غفیر ساتھ ہو لیا، اس طرح کہ ہر ایک مرید نے توشہ ساتھ لے لیا تھا اور گھر بار کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ ماؤں نے بیٹوں کو اجازت دی تھی، اور بیویاں شوہروں کو رخصت کر رہی تھیں۔ ہر ایک کا دل مگن تھا، کہ مرشد ساتھ ہے تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۳۱)

شاہ صاحب آگرہ سے روانہ ہو کر پہلے کانپور پہنچے۔ وہاں نانا صاحب تانتیا ٹوپے کے معاون عظیم اللہ خاں وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں، پھر اُناؤ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہونچے، گھاس منڈی میں قیام کیا۔ وہیں بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادی قدس سرہٗ سے ملاقات ہوئی۔ مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں:

''مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے، اُن دنوں لکھنؤ میں صدر الصدور تھے۔ کچھ دن گزرے تھے کہ مولوی عبدالرزاق صاحب فرنگی محلی کی تائید میں مولانا امیر علی شاہ صاحب کے خلاف فتوی صادر کر چکے تھے۔ وہ (مولانا خیرآبادی) شاہ صاحب سے ملنے آئے۔ شاہ صاحب سے ایسی گفتگو ہوئی کہ گھر جاتے ہی ''صدر الصدوری'' سے استعفیٰ دیدیا اور الور چلے گئے، اور انگریزوں کے جتنے خیر خواہ تھے، اتنے ہی دشمن ہو گئے۔''

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۳۲)

علامہ فضل حق خیرآبادی کی اس ماہیت قلبی کا تذکرہ کرتے ہوئے محمد میاں دیوبندی نے لکھا ہے:

''بے شک یہ حضرت شاہ صاحب کی گفتگو اور ان کی قوت ارادی کا اثر ہے کہ حضرت مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، شمارہ ا ج ۹۲، محرم الحرام، ۱۴۲۹ھ)

حضرت مولانا احمد اللہ شاہ اہل لکھنؤ میں مقبول اور محبوب ہونے لگے اور باشندگان لکھنؤ کی والہانہ وابستگی ان سے روز بروز بڑھنے لگی۔ مگر لکھنؤ کے حالات سازگار نہ تھے، قیام کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا کیونکہ انہیں دنوں بارک پور والی فوج برخاست کی گئی تھی جس کے سپاہی زیادہ تر اودھ کے رہنے والے تھے۔ دوسری طرف نواب اودھ واجد علی شاہ کو معزول کر کے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ اس لئے شاہ صاحب نے لکھنؤ کا قیام مختصر کر کے فیض آباد کا رخ کیا۔

فیض آباد میں آمد: فیض آباد پہنچ کر انہوں نے تحریک کو تقویت دینا شروع کی، وعظ و سماع کی محفلیں سجائیں اور مولانا امیر علی شاہ امیٹھوی کے جذبۂ شہادت کو نمونہ بنا کر انگریزوں سے بغاوت کیلئے فداکاران کی جماعت تیار کرنے میں لگ گئے۔ پر جوش خطابت اور سحر انگیز وعظ کے نتیجہ میں باشندگان فیض آباد میں مجاہدانہ رنگ چڑھ گیا اور ان میں انگریز اور ''عمال کمپنی'' سے انتقام لینے کی آگ

بھڑ کنے لگی۔ ان کے پاس ہزار ہا فدا کاران جمع ہو گئے، ان میں ہر کوئی مسلح تھا، ساتھ ہی ان کو جنگی تربیت اور قواعد جنگ کی تعلیم دی جانے لگی۔

۱۶ر فروری ۱۸۵۷ء کو شام کے وقت کوتوال نے لیفٹننٹ ٹربن کو ان کی سرائے میں لوگوں کی آمد ورفت کے بارے میں مطلع کیا۔ اگلے ہی دن ۱۷ر فروری ۱۸۵۷ء کو لیفٹننٹ تھامس نے شاہ صاحب کا محاصرہ کر لیا اور فوجی تربیت اور مجاہدین کی تنظیم بندی سے روکنا چاہا۔ آخرش دونوں گروہوں میں تلواریں کھنچ گئیں اور جنگ کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ شاہ صاحب زخمی ہو کر بیہوش ہو گئے، اسی بیہوشی کی حالت میں پولیس گرفتار کر کے زندان لے آئی۔ ان کے ہمراہی بھی گرفتار کر لیے گئے۔ یہ واقعہ ۶ر مارچ ۱۸۵۷ء/۹ر رجب المرجب ۱۲۷۳ھ بروز جمعہ کا ہے۔ جب فیض آباد میں گرفتاری عمل میں آئی۔ (اخبار طلسم فرنگی محل، بابت ۶ر مارچ ۱۸۵۷ء، مضمون از مولانا ابرار حسین فاروقی لکھنوی)

تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء کا آغاز: کرنل لیناکس نے مولانا احمد اللہ شاہ کو پھانسی کی سزا سنادی تھی۔ لیکن ابھی تک اس سزا پر عمل نہ ہو سکا تھا کہ ۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کی طوفان انگیز تاریخ آئی۔ میرٹھ کی بغاوت کی خبر فیض آباد میں بھی پہنچی۔ چنانچہ موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مولانا امیر علی شاہ اور مولانا احمد اللہ شاہ کے مریدین نے نواب سکندر شاہ کی قیادت میں علم بغاوت بلند کیا، اور صوبہ دار دلیپ سنگھ کی رہنمائی میں عوام نے بھی کمپنی برطانیہ کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے اور ۸ر جون ۱۸۵۷ء کو جیل پر حملہ کر کے جیل سے تمام قیدیوں کو رہا کرالیا۔ سب نے مولانا احمد اللہ شاہ کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا اور انگریز افسران کو ذاتی اسلحہ اور سامان کے ساتھ فیض آباد سے نکلنے کا حکم صادر کر دیا گیا۔

فیض آباد کے اس انقلابی واقعہ نے پورے اودھ میں انقلاب کی لہر دوڑا دی، انگریز حکومت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ عوام نے مولانا احمد اللہ شاہ سے فیض آباد کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کی التجاء کی، مگر مولانا نے انکار کر دیا۔ اور مان سنگھ کو باگ ڈور سونپ کر ملک سے انگریز کو بے دخل کرنے کیلئے لکھنؤ کی طرف چل پڑے۔

لکھنؤ سے تھوڑے سے فاصلہ پر ''چنہٹ'' کے مقام پر انگریز فوج سے ان کا سامنا ہوا، انگریز فوج کو شکست دے کر ان کے سامان جنگ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انگریز نے بیلی گارد اور مچھلی بازار میں بھی ان سے جنگ کی، مگر دونوں جگہ انگریزی فوج کو منہ کی کھانی پڑی۔

ادھر لکھنؤ میں ۲۵ر جولائی کو سید برکات احمد، راجہ لال سنگھ، اور شہاب الدین وغیرہ نے اودھ کی مسند پر برجیس قدر کی تخت نشینی کر دی۔ اس وقت جہانگیر بخش صوبہ دار توپ خانہ فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی دی۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خاں کو خلعت وزارت عطا ہوئی۔ جرنیلی کا خطاب حسام الدولہ کو ملا۔ مگر کل و جزو کے اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خان عرف ممو خاں کے ہاتھ میں تھے۔

عبد الحلیم شرر لکھنوی اس زمانہ کے لکھنؤ کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی سمٹ کر دہلی میں جمع ہوئے تھے اور ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا، ویسے ہی الہ آباد اور

فیض آباد کے باغی بھی ۱۸۵۷ء میں جوش وخروش کے ساتھ لکھنؤ پہنچے۔ اُن کے آتے ہی یہاں کے بہت سے بےفکرے اٹھ کھڑے ہوئے اور برجیس قدر کی بادشاہی قائم کردی۔ تھوڑی سی انگریزی فوج اور یہاں کے تمام یورپین عہدہ داران مملکت جو باغیوں کے ہاتھ سے جانبر ہوسکے ''بیلی گارڈ'' میں قلعہ بند ہوگئے۔''

(عبدالحلیم شرر گزشتہ لکھنؤ مطبوعہ نظامی پریس لکھنؤ اگست ۱۹۷۴ء ص ۶۰)

لکھنؤ پہونچنے پر مولانا احمد اللہ شاہ انگریز جنرل آوٹرم، جنرل ہیولاک اور جنرل نیل کی فوجوں سے دسمبر تک برسر پیکار رہے۔ پھر فروری تا اپریل ۱۸۵۸ء تک جنرل اوٹرم، جنرل ہیولاک، اور جنرل کیمپ بیل سے سخت خونی معرکہ ہوا، بالآخر ۲۱/مارچ ۱۸۵۸ء کو سعادت گنج میں جنگ کا فیصلہ انگریز کے حصہ میں آیا۔ تو مولانا احمد اللہ شاہ امید کا دامن تھامے ہوئے خیر آباد چلے گئے، یہاں کچھ دن قیام کرنے کے بعد راجہ نواب علی محمود آباد سے فوجی تعاون لیا، اور بیگم حضرت محل کے اشتراک سے لکھنؤ پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی، جو ناکام رہی۔ جب ملک کے چاروں طرف کا سہ لیسوں کی پوری جماعت تیار ہوچکی تھی، جو انگریز تاجروں کے یہاں دست گدائی پھیلانے کیلئے حاضری دینے لگے تھے، ایسے حالات میں مولانا احمد اللہ شاہ انقلابیوں کی کمان سنبھالے ہوئے شاہ جہاں پور پہنچ گئے۔

محمدی میں آزاد حکومت کی تشکیل: یہاں کے ہنگامہ میں حفاظتی فوج مولانا احمد اللہ شاہ کے زیر کمان تھی، اس ہنگامہ میں انگریزوں کو محصور ہونے پر مجبور کر دیا گیا، لیکن جب برطانوی افسر سرکالن کیمبل بریلی سے ایک بڑی فوج لے کر آیا تو یہ دیکھ کر کہ ہمراہیوں کی تعداد بہت کم ہے اور مقابل کی فوج مع سامان حرب بہت زیادہ، اس لیے خطرے میں پڑنے سے بہتر ہے کہ یہاں سے کوچ کر لیا جائے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے ہمراہیوں سمیت قصبہ محمدی تشریف لے گئے۔

قصبہ محمدی میں مولانا احمد اللہ شاہ نے ایک علیحدہ حکومت قائم کرلی اور اپنا سکہ بھی ڈھال لیا۔ اس حکومت کے وزیر جنگ جنرل بخت خاں بریلوی، قاضی القضاۃ مولانا سرفراز علی، دیوان پیشوا نانا راؤ بنائے گئے۔ اور کونسل کے اراکین میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی، ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی، مولوی فیض احمد بدایونی، اور شاہزادہ فیروز شاہ شریک ہوئے۔

(قیصر التواریخ از سید کمال الدین حیدر الحسینی)

اس حکومت کو چھ مہینے ہوئے تھے کہ سرکالن کیمبل نے قصبہ محمدی پر حملہ بول دیا۔ سخت خونریز جنگ کے بعد شاہزادہ فیروز شاہ سے اختلاف کی وجہ سے شاہ صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور سب نے ایک ایک کر کے قصبہ محمدی چھوڑ دیا، لیکن شاہ صاحب کے حوصلوں نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

نامور مجاہد کی شہادت: اب انگریزوں کے خلاف ایک نیا محاذ کھولنے کے لئے ان کی نگاہ انتخاب ''پوایاں''، ضلع شاہجہانپور کے راجہ جگن ناتھ پر پڑی۔ انہوں نے سوچا کہ راجہ جگن ناتھ سے مدد لے کر ایک نیا محاذ کھولا جا سکتا ہے۔ چنانچہ راجہ سے گفت وشنید کیلئے ۵/جون ۱۸۵۷ء کو ہاتھی پر سوار ہوکر قلعہ پہنچے، تو خلاف امید استقبال

کے بجائے قلعہ کا دروازہ مقفل پایا، کیونکہ پچاس ہزار روپیہ کے عوض راجہ کی نیت بدل چکی تھی، وہ انگریز سے اس عظیم مجاہد کا سودا کر چکا تھا، اس کا بھائی بلدیو سنگھ سپاہیوں کے ہمراہ قلعہ کی فصیل پر موجود تھا۔ وہاں کا ماحول دیکھ کر مولانا احمد اللہ شاہ کو ناگوار حالات کا اندازہ ہو گیا، چنانچہ آپ نے قلعہ کا دروازہ توڑنے کا حکم دیدیا۔ اس سے پہلے کہ دروازہ توڑا جاتا راجہ کے اشارے پر اس کے بھائی بلدیو سنگھ نے گولی مار کر مولانا کو شہید کر دیا۔ وہ عظیم مجاہد جس کے سامنے انگریز کی توپ اور بندوق کے گولے بے اثر ہو جاتے تھے، اس کو ایک غدار وطن شہید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی کا بیان ہے کہ:

''راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسم اطہر سے اُتارا، اور صاحب کلکٹر بہادر شاہ جہانپور کے سامنے پیش کر دیا جو عرصہ تک کو توالی پر لٹکا رہا۔ نعش کو آگ میں پھونک دیا۔ اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپیہ نقد اور خلعت فاخرہ راجہ پوایاں کو عطا کیا۔ یہ واقعہ شہادت ۵/جون ۱۸۵۸/ ۱۳/ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو پیش آیا۔ دریا پار محلّہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے پہلو میں سرد فن کر دیا گیا۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب (مصنف روشن مستقبل وحکومت خود اختیاری) نے کتبۂ تاریخ نصب کرادیا۔''

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء، ص ۴۹)

اہل سنت و جماعت کے مشہور تذکرہ نگار مولانا مفتی محمود احمد قادری رفاقتی مظفر پوری نے تاریخ شہادت میں اختلاف کیا ہے، ان کے بقول ۲/ذیقعدہ ۱۲۷۴ھ بروز منگل بوقت نصف النہار جام شہادت نوش کیا۔

شاہ صاحب کی جواں مردی: مولانا کے عزم و ہمت اور بہادری کے معترف نہ صرف اہل وطن بلکہ انگریز بھی ہوئے۔ انگریز مصنف چارلس نال حلیہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

''اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس مولوی کو انگریزی حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمال مغربی صوبجات میں ظاہراً مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے۔ لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران وہ ایک عرصے تک آگرہ میں مقیم رہے، حیرت انگیز اثر شہر کے مسلم باشندوں پر تھا، شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل وحرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصہ بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا اور وہ آزاد رہے۔ آخر کار جب ''بغاوت'' رونما ہوئی اور فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہنچے، تو یہ مولوی جو سابقاً غیر منظّم طریقے پر اپنے مریدوں کو ابھار رہا تھا، گارڈ کی نگرانی میں تھا۔ ہنگامہ کرنے والوں نے اُن کو چھڑا کر اپنا سردار بنا لیا۔ اس طرح مولوی صاحب ایک طاقتور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔ اگرچہ کچھ عرصہ تک دوسرے باغی سرداروں کی طاقت نہیں رہی، لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا لیکن یہ قابل آدمی تھا، اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا جو نانا صاحب کے انتقامی جوش کی خصوصیت تھی، اس سے یہ بالکل پاک صاف تھا، اس لئے برطانیہ بھی ایک حد تک ان کو اچھا اور قابل نفرت نہیں سمجھتی تھی۔''

انگریز آفیسر جرنیل تھامس ہنگامۂ ۱۸۵۷ء میں شریک تھا،

شاہ صاحب کی بابت لکھتا ہے:

''مولوی احمد اللہ شاہ بڑی لیاقت وقابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف اُس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا، ارادہ کا مستقل تھا۔ باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا، یہ فخر اسی کو حاصل ہے کہ اُس نے دو مرتبہ سر کالن کیمبل کو میدانِ جنگ میں ناکام رکھا۔ وہ بہ نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محبّ وطن ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی برپا ہوگئی ہو، سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں، تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا محبّ صادق تھا۔ اُس نے کبھی تلوار کو مخفی اور سازشی قتل سے خون آلود نہیں کیا، وہ بہادرانہ اور معجزانہ طور پر ان سے معرکہ آرا ہوا، جنھوں نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم وادب کے ساتھ جو شجاعت وصداقت کے لئے لازمی تھیں اور جن کا مستحق تھا، اس کو یاد کریں گی۔''

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جنوری ۲۰۲۴ء)

انگریز مصنف فارسٹر کا ایک اور نذرانۂ عقیدت ملاحظہ فرمائیے:

''جن کو فیض آبادی مولوی کہا جاتا ہے، اُن کے متعلق یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی، اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپاہی، اور سپہ سالار تھا۔ اس کی طبیعت ظلم سے پاک تھی۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔''

(Colonel G.B.Malleson, The Indian Mutiny of 1857, London Seeley and Essex Street Strand, Co. Limited (1891,P.17

شہادت پر تاریخی قطعہ: مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی قدس سرہٗ سے انگریزی حکومت اور انگریزی فوج اتنی متنفر تھی کہ شہادت کے بعد آپ کے سر مبارک کو کٹوا کر جلانا چاہا، مگر شان قدرت کہ سر مبارک نہیں جلا۔ مولانا تائب لکھنوی نے آپ کی شہادت پر جو تاریخی قطعہ قلم بند کیا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

جلایا کیے، آگ میں تین روز نہ لیکن جلا، وہ تن جان فروز

تاریخی قطعہ شہادت اس طرح لکھتے ہیں:

خودی سوز ہے، شیخ کی تاریخ وصل ہوا نفی سے واہ ''اثبات'' وصل

(تواریخ احمدی از مولانا تائب لکھنوی، صفحہ آخری، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

حیرت انگیز ردّ رافضیت

اعلیٰ حضرت کی عمر کا ۱۴/واں سال تھا کہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے، ان کی خواہش ہے کہ حضور امام باڑے کا تاریخی نام تجویز فرمادیں تاکہ امام باڑے کے دروازے پر لکھوا دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ عریضہ سن کر فی البدیہ اور تنقید آمیز تاریخی جملہ ارشاد فرمایا:

''ان سے کہیے امام باڑے کا نام ''بدر رفض'' ۱۲۸۶ھ رکھیں''۔

(یہ سوال ۱۲۸۶ھ میں کیا گیا تھا اس لیے آپ نے اس کا یہ عدد نکالا) اس جواب کو سن کر وہ صاحب بولے اصل میں امام باڑہ سال گذشتہ ہی تیار ہوگیا تھا، ان کا مقصد تھا کہ اعلیٰ حضرت کوئی دوسرا مادۂ تاریخ تجویز فرمائیں جس میں لفظ ''رفض'' نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت نے فوراً ہی فرمایا:

''تو ''دار رفض'' ۱۲۸۵ھ رکھیں''۔ یہ سن کر وہ صاحب چپ ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولے کہ اس کی ابتدا ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی اس لیے اسی سال کا تاریخی نام زیادہ مناسب ہوگا۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا تو ''در رفض'' 1284ھ رکھ لیں''۔ (حیات اعلیٰ حضرت، صفحہ نمبر ۳۰۹)

جرأت وحق گوئی کے دو حسین استعارے

خلیفۂ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم اور نواسۂ رسول، امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بے مثال جرأت مندی اور سبق آموز حق گوئی کے جلووں کو بکھیرتی ایک بہترین تحریر

از۔مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی، روشن مستقبل دہلی

عاصم!

جی ابا جان!

بابا کی جان!

کل رات مجھے ایک ایسی لڑکی کا علم ہوا جو تقویٰ اور پارسائی میں اپنی مثال آپ ہے۔جس کی باتیں دلوں کی گہرائی تک اثر کرتی ہیں۔جو بولتی ہے تو انصاف کی مہک دور تک محسوس ہوتی ہے۔جس کے لہجے میں مومنانہ یقین کی مضبوطی نظر آتی ہے۔جو حق بات کہنے میں کسی سے مرعوب نہیں ہوتی!

اللہ میرے بابا کی عزتیں اور بڑھائے!

آخر وہ کون خوش نصیب خاتون ہے جس نے اپنی بلند کرداری سے میرے بابا کا دل جیت لیا ہے۔

بچی کی تعریف کرتے دیکھ عاصم نے بڑے رشک کے ساتھ اپنے بابا سے کہا، تو والد بزرگ وار کی آنکھوں میں آرزوؤں کی چمک جگ مگائی اور انہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا:

عاصم!

واقعی تم نے سچ کہا، اس بچی نے یقیناً تمہارے بابا کا دل جیت لیا ہے۔اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم اس نیک خو لڑکی کو اپنا شریک حیات بنالو۔

الفاظ کے ساتھ باپ کی آرزوؤں کی چمک، آنکھوں کی للک اور دل کی دھنک عاصم پر اچھی طرح ظاہر ہو رہی تھی۔ان کے والد کا یہ روپ بہت کم لوگوں کو دیکھنے ملتا تھا۔آج خوش نصیبی سے عاصم اپنے بابا جان کے چہرے پر مسرت کے وہ رنگ دیکھ رہے تھے جو ان کی مصروف زندگی اور گراں قدر ذمہ داریوں کی وجہ سے کبھی کبھار نظر آتے تھے۔

ابا جان!

آپ پیغام نکاح بھیج دیں میں اس خاتون کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے دل وجان سے تیار ہوں!

سعادت مند بیٹے کی فرماں برداری سے والد کی مثالی تربیت ظاہر ہو رہی تھی۔ایک طرف والد نے بغیر دیکھے بچی کو پسند کر لیا تو دوسری جانب بیٹے نے والد کی خواہش کا دل وجان سے احترام کیا۔تسلیم واحترام کے یہ مناظر دیکھ چشم فلک بھی انسانی عظمتوں کی قائل ہوگئی۔

مت سہل اسے جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

آپ جانتے ہیں کہ عاصم کے بابا کون تھے؟

عاصم کے بابا کوئی عام انسان نہیں بلکہ مراد رسول، صاحب منبرو محراب، خلیفہ دوم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۴ھ) تھے۔ وہ نیک صفت خاتون جسے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت عاصم کی زوجیت کے لیے پسند فرمایا، امیر المومنین کے علم میں تب آئیں جب ایک رات مدینے کی گلیوں میں گشت کرتے ہوئے آپ ایک مکان کے قریب سے گزرے، جہاں ایک ماں اپنی بیٹی کو آواز لگاتے ہوئے کہہ رہی تھی:

"ألا تمذقين لبنك فقد أصبحت"۔

''بیٹی! تم نے اب تک دودھ میں پانی نہیں ملایا، صبح ہونے کو ہے۔''

ماں کی بات سن کر اس نیک بخت لڑکی نے دل چھو لینے والا جواب دیا:

"كيف أمذق وقد نهى أمير المؤمنين عن المذق۔"

''امی جان! میں پانی کیسے ملاؤں؟ امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے۔''

بچی کا جواب سن کر سیدنا عمر کے بڑھتے ہوئے قدم رک گیے۔ ماں بیٹی کا یہ مکالمہ خاصا دلچسپ لگا اس لیے آپ نے دھیان اسی طرف لگا دیا۔ اُدھر امیر المومنین کی موجودگی سے انجان ماں نے بچی کی بات سن کر قدرے لاپرواہی کے ساتھ کہا:

"قد مذق الناس فامذقي فما يدري أمير المؤمنين۔"

''بیٹی! اور لوگ بھی تو پانی ملاتے ہیں، تم بھی ملالو، رات کے اس اندھیرے میں امیر المومنین کو ہمارے کام کی کیا خبر؟''

ماں کی بات سن کر بیٹی نے بڑا ایمان افروز جواب دیا:

"إن كان عمر لا يعلم فإله عمر يعلم۔"

''امی جان اگر حضرت عمر کو خبر نہیں ہے، تو کیا ہوا، عمر کا رب تو سب جانتا ہے۔''

یہی وہ ایمان افروز جواب تھا جس نے سیدنا عمر کے سینے کی گہرائیوں تک اثر کیا۔ اس بچی کی محبت آپ کے دل میں بیٹھتی چلی گئی۔ بغیر اس لڑکی کو دیکھے۔ بغیر اس کے خاندان کو جانے آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اس نیک بخت لڑکی کو اپنے بیٹے کی دلہن بنائیں گے۔

یہی سوچ کر آپ نے اپنے شہزادے حضرت عاصم کو بلایا اور ان سے کہا:

"يا بني اذهب إلى موضع كذا وكذا فاسأل عن الجارية ووصفها له۔"

''جان پدر! فلاں جگہ جا کر معلوم کرو کہ یہ لڑکی کون ہے''

ابا جان کی خواہش سن کر حضرت عاصم نے لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آ کر اپنے بابا جان کو ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

"يا بني فتزوجها فما أحراها أن تأتي بفارس يسود العرب۔"

''فرزند عزیز! تم اس نیک سیرت لڑکی سے نکاح کر لو، وہ بچی یقیناً اس لائق ہے کہ اس کے بطن سے ایک ایسا شہ سوار پیدا ہو، جو تمام عرب کی قیادت کرے۔''

حضرت عاصم نے بصد شوق بابا جان کی خواہش کا احترام کیا۔ اس طرح محض اپنی راست گوئی اور بلند کرداری کی بدولت ایک عام سے گھر کی لڑکی کاشانۂ خلافت کی بہو بن کر فاروق اعظم جیسی عظیم الشان ہستی کے گھر کا حصہ بن گئی۔

(ماخوذ۔ سيرة عمر بن عبد العزيز لعبد الله بن عبد الحكم، ص:۲۴)

فراست فاروقی نے یقیناً مستقبل کو دیکھ لیا تھا۔ اسی لڑکی کی دوسری نسل میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ (۶۱-۱۰۱ھ) جیسا صاحب شرف بیٹا پیدا ہوا۔ جس کی عدل پروری اور انصاف

پسندی نے زمانے بھر میں خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ سلطنت اسلامیہ کی سرحدوں کو ایک بار پھر سے وسعت ملی اور حضرت عمر کی یہ پیشن گوئی:

''اس بچی کے بطن سے ایسا بیٹا پیدا ہوگا جو سارے عرب کی قیادت کرے گا۔''

پوری ہوئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے کو پھر سے سنوارا۔ لوٹ کھسوٹ کا زور توڑا۔ بیت المال کو دوبارہ قومی امانت بنایا۔ لوگوں کا مال ہڑپنے والے خائن وزیروں سے پائی پائی وصول کی۔ نظام احتساب کے خوف سے خائن امیروں نے رات کی تنہائیوں میں مال سڑکوں پر چھوڑ دئے۔ ہر طرف عدل و انصاف کا شہرہ ہوا۔ حق دار کو حق ملنے لگا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سلطنت اسلامیہ میں لوگ صدقہ وخیرات کا مال لیے پھرتے تھے مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔ بنو امیہ کے ساتھ ساتھ بنو ہاشم بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی قیادت پر فخر فرماتے تھے۔ اس طرح ایک بار پھر زبان فاروقی کی صداقت ان کی خداداد بصیرت کو منوا چکی تھی:

ہاں تیری بصیرت پہ ہے خالق کی گواہی
حامی تیری تجویز کا، الہام ہے فاروق

مگر کتنی عجیب بات ہے کہ دوسروں کے عطیات پر گزر بسر کرنے والے لوگ، دین کے نام پر دنیا بنانے والے افراد، معمولی سی منفعت کی خاطر سگان دنیا کے دروازوں پر کشکول گدائی لئے پھرنے والے بندگان سیم وزر آج فراست فاروقی پر سوال اٹھاتے ہیں۔

کاش!

ان کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والا دل ہوتا تو انہیں عظمت فاروقی کے میناروں کی بلندی دکھائی پڑتی۔

جس عمر کی رائے کو بارہا پروردگار عالم نے سند قبولیت سے نوازا ہو۔ جس کی دوراندیشیوں پر کتنی ہی بار وقت نے صداقت کی مہر لگائی ہو۔ جس کے فیصلوں نے امت مسلمہ کو عرب سے عجم تک عزتوں سے سرفراز کیا ہو، اس کی فہم وفراست پر سوال اٹھانا اول درجے کی محرومی اور بدبختی ہے۔

کاش!

انہیں احساس ہوتا کہ عمر ایک سلطان نہیں، مراد رسول کا نام ہے اور رسول اللہ ﷺ کی چاہت پر سوال اٹھانا وفاداروں کا نہیں غداروں کا کام ہے، اور جہنم ایسے اعدا کی راہ بڑی شدت سے دیکھ رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب لکھا۔

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

☆☆☆☆

حُسین ہونا آسان کہاں

ہجرت رسول کا چوتھا سال اور شعبان المعظم کی پانچویں تاریخ تھی کہ گلستان جان احمد ﷺ میں ایک اور شگفتہ پھول کی آمد ہوئی۔ نانا جان کی شفیق بارگاہ سے ''حسین'' جیسا منفرد نام عطا ہوا، جو ان کے برادر اکبر ''حسن'' ہی کی طرح تاریخ انسانی کا پہلا نام تھا۔ اس طرح ہمارے حسین پیدا ہوتے ہی کائنات عالم میں منفرد شان کے مالک بن گئے۔ منفرد نام عظمتوں کی ابتدا تھا نہ انتہا، ان کی عظمت کی ابتدا تو

ان کے وجود مسعود کے اول وقت ہی سے ان کا مقدر ہوگئی تھی، جب بنت رسول، راحت جان احمد ﷺ، خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور باب مدینۃ العلم، مولائے کائنات سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے خون کے امتزاج سے وجود حسین تیار ہوا۔ بواسطہ والدہ معظّمہ ان کے خون میں خون رسول کی خوشبو اور طہارت شامل ہوچکی تھی۔ اس طرح شکم مادر ہی سے عظمتیں امام حسین رضی اللہ عنہ کے قدموں پر نثار تھیں۔

آنکھیں کھولیں تو امام الانبیا، سید عالم ﷺ کا مسکراتا ہوا رخ تاباں نگاہوں کے سامنے پایا۔ کھیلنے کو فاطمہ زہرا کی گود، سیدنا علی کا سینہ اور ''شمع بزم ہدایت'' کی پشت مبارک ملی۔ کائنات میں ان کے ماموؤں جیسا کوئی تھا نہ کوئی ان کی خالاؤں کے مثل۔ ان کی امی اور ان کے بابا تو پروردۂ رسالت کا منفرد شرف رکھتے ہی تھے، بھائی بھی سردار جنت جیسا ملا۔ ان کی نانی غمگسار پیغمبر اور امت کی مادر مشفقہ تھیں اور ان کے نانا کا تو کہنا ہی کیا وہ تو وجہ کائنات، محبوب پروردگار اور فخر آدم تھے اور ہیں۔ اس سے زیادہ اعزازات بھلا اور کیا ہو سکتے تھے؟ قدرت الٰہی نے زمانے بھر کی تمام عظمتیں بچپن ہی سے امام حسین کی گود میں ڈال دی تھیں۔ اعلیٰ حضرت نے اسی پس منظر میں کیا خوب شعر کہا ہے ؎

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

اب تک ربیع الاول کا چاند لوگوں کو رحمت عالم ﷺ کی آمدِ آمد کے مژدے سناتے ہوئے آتا تھا، مگر سن گیارہ ہجری کا چاند غموں کی کالی چادر اوڑھ کر آیا۔ حضور نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی حیات ظاہری کے دن مکمل کر کے وعدہ الٰہی کے تحت امت کی نگاہوں سے پردہ فرمایا۔ سات سال کے ننھے حسین نانا جان کے جسد اطہر کے پاس کھڑے ہیں، مگر آج گھر کا منظر بالکل الگ ہے۔ ہر وقت گل زار رہنے والے کاشانہ نبوت میں ایک عجیب سا ماحول ہے۔ ہر چہرہ اداس اور افسردگی کی مورت بنا ہے۔ والدہ کے چہرے پر زمانے بھر کا غم صاف نظر آرہا ہے۔ سیدہ عائشہ کی آنکھوں میں قیامت گزرنے کے اثرات نمایاں ہیں۔ بابا علی کے مضبوط کندھے بھی آج غم واندوہ سے ڈھلکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس طرح ایک قیامت کبری تھی جو سات سالہ حسین کے سر پر گزر گئی تھی۔ جس نے خاندان اہل بیت کے چہروں کی بشاشت کو ماند کر دیا تھا۔

ہمیشہ ناز ونعم اور اور ناز و انداز میں رہنے والے شہزادے حسین کے دل پر اس حادثہ فاجعہ نے گہرا اثر ڈالا۔ ایک طرف نانا جان کی جدائی کا غم تھا جو دل کو چین نہیں لینے دیتا تھا، دوسری جانب اپنے گھر کی خوشیاں بھی شاید کہیں روپوش ہوگئی تھیں کہ نانا جان کے وصال پر ملال کے بعد سے مادر مہربان سیدہ فاطمہ کے لبوں کی مسکراہٹ پوری طرح غائب ہوگئی تھی۔ بابا جان کی جدائی نے ان کی ساری راحتوں کو کلفت میں بدل دیا تھا۔ مصیبتوں پر سدا مسکرانے والی سیدہ، غم وحزن کی مورت بن گئی تھیں۔ شدت غم کا عالم یہ تھا کہ آپ فرماتی تھیں:

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا☆صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

یعنی مجھ پر مصائب وآلام کے وہ پہاڑ ٹوٹے اگر وہ دنوں پر ٹوٹتے تو شدت غم سے دنوں کا اجالا بھی رات کے اندھیروں میں بدل جاتا۔

اِغْبَرَّ اٰفَاقُ السَّمَاءِ وَكُوِّرَتْ
شَمْسُ النَّهَارِ وَاَظْلَمَ الْعَصْرَانِ

یعنی آسمان کی پنہائیاں غبار آلود ہوگئیں، دن کا سورج لپیٹ دیا گیا اور زمانہ تاریک ہوگیا۔

ربیع الاول سے شروع ہوا غموں کا یہ سلسلہ شاید کہیں تھم جاتا تو شاید دل کو کچھ قرار مل جاتا مگر مقدر کی آزمائشیں شروع ہو چکی تھیں۔ ربیع الاول کے بعد ربیع الثانی بھی سُونا ہی گزر گیا۔ جمادی الاول کی ساعتیں لب فاطمہ پر مسکراہٹ لا سکیں نہ جمادی الآخرہ ہی کسی طرح کی شادمانی کا سامان کر سکا۔ رجب وشعبان بھی لب فاطمہ پر مسکراہٹ کی امید میں یوں ہی گزر گئے۔

ایک بے چینی تھی جو میرے حسین کو بے قرار رکھتی تھی۔ گھر میں والدہ کا غم اور بابا کی اداسی چین نہ لینے دیتی۔ مسجد نبوی آتے تو نانا جان کی عدم موجودگی سے دل اور پارہ پارہ ہوجاتا۔ حجرہ عائشہ میں قرار ملتا نہ کاشانہ فاطمہ میں غم ہلکا ہوتا۔ چھ ماہ کا وقت گزر گیا مگر قلب حسین پر چھائے ہوئے غم کے بادل کم نہ ہو سکے، یہاں تک کہ رب کی رحمتوں کا سائبان بن کر رمضان آ گیا۔ مگر کون جانتا تھا کہ اس بار کا رمضان بھی ربیع الاول کی طرح اپنے دامن میں جدائی کا فرمان لے کر آیا ہے۔ رمضان کی تیسری تاریخ تھی۔ سیدہ کی طبیعت کو قدرے قرار تھا۔ آج بڑے دنوں کے بعد شہزادوں کو اچھے سے تیار کیا۔ پیار کیا۔ لاڈ و پیار کی برکھا میں حسنین کریمین نہا اٹھے، لگا کہ اب امی جان رحلت پدری کے غم سے باہر آ رہی ہیں مگر یہ امید زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی کہ کچھ ہی وقت کے بعد قاصد اجل کے بلاوے پر سیدہ بھی اپنے بابا سے ملنے کے لیے رب کی مہمان ہوگئیں۔ اس طرح چھ ماہ کی مختصر سی مدت میں نانا جان کے بعد سینے سے لگانے والی سیدہ فاطمہ بھی حسنین کریمین کے نازک کندھوں پر اپنے نانا جان کی امت سے متعلق نہ جانے کتنی ذمہ داریاں ڈال کر نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔ اعلیٰ حضرت نے حضرت فاطمہ کی شان میں جو کچھ کہا وہ واقعی نہایت جامع اور حقیقت پر مبنی ہے۔

سیِّدہ، زاہرہ، طیبہ، طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

انہیں ذمہ داریوں کی ادائیگی میں حسنین کریمین نے اپنی پوری زندگی اسلام کے نام پر وقف کر دی۔ ان شہزادگان رسول نے اس سلسلہ میں نہ تو اپنی عزت کی پرواہ کی اور نہ ہی اپنے عیش و آرام کی، نہ ان سرداران جنت نے اپنی جان کی فکر کی اور نہ ہی اپنے اہل خانہ کی جانوں کا خیال کیا۔ ایک وقت وہ بھی آیا کہ جب امت کا ایک بڑا طاقتور طبقہ حضرت امام حسن کو عالم اسلام کی باگ ڈور سنبھالتے رہنے کے لیے بضد تھا اور اس سلسلہ میں تن من دھن سے ان کا ساتھ دینے کے لیے بھی پرعزم تھا مگر اپنے نانا جان کی امت کے مفاد اور انہیں انتشار سے بچانے کے لیے حضرت امام حسن نے عالم اسلام کی خلافت وسلطنت کو ترک کر کے امت مسلمہ کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے دو بڑی جماعتوں کے مابین صلح کرا دی۔ مگر جب یہی قیادت یزید جیسے نااہل، فاسق، فاجر اور احکام اسلامیہ میں خود ساختہ تبدیلیاں کرنے والے شخص کے ہاتھ میں جانے لگیں تو اپنے اسی احساس ذمہ داری کے پیش نظر حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افرادی طاقت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک لشکر جرار کے سامنے جرأت مندی اور حق گوئی کی ایسی مثال پیش کی کہ دنیا ایسی مثال پیش کرنے سے آج تک قاصر ہے۔

قند مکرر

فتنۂ ارتداد کا انسداد

(وفد اسلام فرستادۂ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی اطلاعیں)

از۔مکرمی جناب مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب قادری نوری، صدر وفد اسلام

آریہ سالہا سال سے نو اسلام راجپوتوں کے در پئے دین متین اور ان کی لگا تار کوششوں کا سلسلہ مدت ہائے دراز سے جاری ہے۔ان کی جماعتیں گشت کرتی پھرتی ہیں اور ان کو گمراہ کرنے کے لیے طرح طرح کے آفر (حربے) کام میں لا رہی ہیں۔ جا بجا اس مدعا کے لیے مستقل قیام بھی کر دیا ہے اور وہ شب و روز ناواقف راجپوتوں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ زر وزن کی طمع بھی دلاتے ہیں۔ جو زمیندار ہیں وہ اپنے زمیندارانہ دباؤ سے اور جو اہل ثروت ہیں وہ اپنے اثر سے ان کو اسلام چھوڑ کر مرتد ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ ہر چھوٹا بڑا اس کوشش میں سرگرم ہے اور اب ان کی حرص چار لاکھ سے تجاوز کر کے تیس لاکھ اور اس سے بڑھ کر سات کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔ وہ مسلمانوں کے مذہب کی طرف سے بے پرواہی دیکھ کر یہ امید کرنے لگے ہیں کہ معاذ اللہ انہیں ان کے دین سے منحرف کر کے جذب کر لیں گے۔

گزشتہ عرصہ میں جن مسلمانوں نے ہندو مسلم اتحاد میں اپنی وارفتگی دکھائی ہے اس سے ہندو اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمان اپنے مذہبی امتیاز کو محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ نہ انہیں اس کی کوئی پرواہ ہے۔

پنڈت شردھانند جنہیں مسلمانوں نے بہت کچھ سر چڑھایا تھا، مسجد میں لے جا، لے جا کر ان سے تقریریں کرائیں، ان ہی کے پیچھے اپنے پیشوایان مذہب، علمائے دیندار کو چھوڑا تھا اور ان پر طرح طرح کے افترا اٹھائے اور الزام لگائے تھے۔ وہی پنڈت شردھانند آج اسلام کے مقابل شمشیر بکف ہیں۔ وہ اعلان کر کے مسلمانوں کے شکار کو آئے ہیں۔ ہندوؤں کو جوش دلا رہے ہیں اور اپنے اس طرز عمل سے وہ مادّہ تیار کر رہے ہیں جس سے ملک کے امن میں خطرہ ہے۔ ہندوؤں کے دوسرے لیڈروں نے بھی موقع موقع سے ہندوؤں کو اکسایا ہے، ان کو غیرتیں دلائی ہیں، ان کو کہا ہے کہ تم نامرد نہ بنو۔

مسلمانوں کا اتحاد اور ہندو دوستی ان کے حق میں اندوہ ناک مصائب و آفاق کا باعث ہوا اور ہونا ہی چاہیئے تھا۔قرآن پاک کا ارشاد ہے:

''کفار تمہاری خرابی میں درگزر نہ کریں گے۔ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے۔ بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو ان کے سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے۔ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں۔اگر تمہیں عقل ہو۔ سنتے ہو! یہ جو تم ہو، تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور وہ جو تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر غصہ سے انگلیاں چبائیں۔تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن میں۔اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔تمہیں کوئی بھلائی چھوئے تو انہیں برا

لگے اور برائی تم کو پہنچ جائے اس پر خوش ہوں اور اگر صبر و پرہیز گاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا۔ بیشک ان کے سب کام اللہ کے احاطے میں ہیں۔''

از ماست کہ بر ماست: اور ابھی تک مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ اتحاد کے شیدائی اسی نشے میں ہیں۔ انہیں ابھی تک اتحاد کی ہی فکریں ہیں۔ لاکھوں آدمی بے ایمان ہو جائیں، مرتد ہو جائیں، کافر بنائے جائیں، اس کا کوئی غم نہیں۔ مگر اتحاد رہے۔ اسی خیال سے بعض اتحاد کے حامی ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ اس فتنہ کا روکنا نہایت ضروری ہے مگر ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ جس حال پر ہیں اسی حال پر ہیں اور اگر اہل اسلام انہیں اسلام کی تعلیم دیں تو یہ بھی قابل ملامت سمجھا جاتا ہے۔ ایسے واقعات خود ہمیں پیش آ چکے۔

ہمارا وفد جو دو ماہ سے کوششیں کر رہا ہے اس میں راجپوتوں کی اصلاح میں کامیابی حاصل کی ہے اور بہت سے راجپوتوں کو نمازی بنا دیا ہے، انہیں ایسا جوش اسلام پیدا کیا کہ انہوں نے خود اپنی چوٹیاں کٹوائیں، نام بدلوائے، طہارت و عبادت کے اصول و آئین سیکھے۔

اس پر شیدایان اتحاد فرماتے ہیں کہ

''ان کوششوں سے آریوں کا غصہ بڑھ گیا''۔

تو مطلب یہ ہوا کہ ہندوؤں کی خوشنودی کا لحاظ فرض ہے۔ چاہے مسلمانوں کی نسلیں متابعت شریعت و احکام اسلام سے بالکل اجنبی رہیں اور چاہے رسوم کفر و شرک میں مبتلا ہوں۔ جب مسلمانوں کی حالت اس درجہ پہنچ گئی تب ہی ہندوؤں کی یہ جرأت ہوئی کہ وہ سات کروڑ مسلمانوں کو ہندو بنا لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ضلع متھرا: برج کی زمین جو ہندوؤں کا قدیم اور مشہور مذہبی مقام ہے اور جس کی نسبت وہ بہت سے اعتقاد رکھتے ہیں، سلطنت اسلامیہ کے دور میں اسلام کی نورانی شعاؤں سے (ہندوؤں کا یہ مقام) جگمگا اٹھا اور جس زمین کا چپہ چپہ بت پرستی کی ظلمتوں سے تاریک تھا وہاں کا ذرہ ذرہ توحید الٰہی کے نعرے بلند کرنے لگا۔ ایمانی روشنی یہاں تک پھیلی کہ سلطان عالمگیر غازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زمین کو ''اسلام آباد'' کا لقب دیا۔ آج بھی یہاں کا گاؤں گاؤں ان اسلامی نسلوں سے بھرا ہوا ہے اور لا الہ الا اللہ پکارنے والوں کی اولاد سے اس زمین کا قلب و جگر معمور ہے۔ ان لوگوں کی نسلیں اسلام میں گزر چکی ہیں اور اسلام کا ان پر صدہا سالہ قبضہ ہے۔ اسلامی طریقہ پر یہ لوگ پیدا ہوتے ہیں، اسلامی طریقے پر نکاح کرتے ہیں، جس سے ان کی نسل چلتی ہے۔ مرنے کے بعد اسلامی طریقہ پر ان کا دفن ہوتا ہے اور پختہ مسلمانوں سے ان کی قرابتیں اور رشتے ہیں۔ ان ہی میں ان کا شادی بیاہ ہوتا ہے۔ ہندوؤں سے ان کی قرابت، رشتہ داری، شادی، بیوہار، کھانا پینا، لینا دینا کچھ نہیں۔ اس صورت میں ہندوؤں کی ان پر دراز دستی اور ان پر ہاتھ مارنا پرائے مال کو تاکنا ہے۔

ہندوؤں کا یہ بیان ہی غلط ہے کہ وہ ہم سے ہندو بنانے کی استدعا کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ خاص افراد کی طمع سے ایسا کہہ سکیں مگر عام لوگ ہندو ہونے کو بہت برا جانتے ہیں اور ہمیں اپنے دوروں میں معلوم ہوا کہ جا بجا آریہ مبلغین دھتکارے گئے ہیں۔ لیکن اس پر بھی وہ اپنے گشت اور تبلیغ سے باز نہیں آتے۔

ہمارے وفد کا پہلا حصہ: ہم نے اپنے وفد کو جو بالفعل پندرہ ارکان پر مشتمل ہے دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے:

ایک حصہ ضلع متھرا میں کام کر رہا ہے۔ موضع اوندی، بڑاؤلی، نوگاواں، ترولی، سبئی، آئس، بلوندا، اگزرو غیرہ میں سرگرم عمل ہے اور ان مواضع کی اصلاح میں پورے انہماک کے ساتھ شب و روز مصروف ہے۔

''اوندی'' اس نواح میں ایک خاص مقام ہے اور آریوں کی اس پر بہت نظر ہے اور اس کے ساتھ ان کی بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ یہاں بھی ایک پنڈت کا مستقل قیام ہے اور آئے دن آریوں کی جماعتیں آتی رہتی ہیں۔ خود یہاں کے باشندوں میں سے ایک شخص آریہ خیال کا ہے اور وہ بہت جوش کے ساتھ لوگوں کو آریہ بنانے کی کوششیں کرتا رہتا ہے۔ قریب قریب کے گاؤں والے ''اوندی'' کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور اسی رنگ میں رہنا چاہتے ہیں جس رنگ میں اوندی کے راجپوت ہوں۔

ہمارے وفد نے اس موضع میں بہت لوگوں کو نمازیں پڑھوائیں اور طہارت کے مسائل بتائے اور لوگوں کو اسلام کی فرمانبرداری کی طرف مائل کر دیا ہے اور ان کی چوٹی بھی کاٹی۔

آریوں کی کوشش ناکام: موضع اوندی کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ پچھلے ہفتہ میں یہاں کے ایک سربرآوردہ شخص ''اجے چند'' کا انتقال ہوا جس کا اسلامی نام ''حبیب اللہ خان'' تھا۔ ان اطراف میں اکثر لوگوں کے دو نام ہوتے ہیں: ایک ہندوانی اور دوسرا اسلامی۔ متوفی چوٹی نہ رکھتا تھا۔ کبھی کبھی نماز بھی پڑھتا تھا۔ باوجود اس کے یہ کوشش کی گئی کہ اس کی نعش کو ہندوؤں کے طریقے پر پھونکا جائے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا بھتیجا آریہ خیال کا ہے اور اسی کی وجہ سے آریوں کو چڑھ دوڑنے کا موقع ملا مگر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی اور گاؤں کے لوگوں نے کسی طرح سے گوارا نہ کیا۔

ہمارا وفد وہاں موجود تھا۔ جناب مولانا مولوی حافظ وقاری محمد حشمت علی خاں لکھنوی جو اس حصہ وفد کے سرگروہ ہیں، انہوں نے میت کے غسل اور تدفین اور دفن میں شرکت کی اور باقاعدہ مسلمانوں کے طریقہ پر نماز پڑھا کر دفن کیا۔ گاؤں والوں نے اس سے بہت اچھا اثر لیا اور یہاں کے چھوٹے بڑے مولانا کے نماز پڑھانے کو متوفی کی خوش قسمتی بتاتے تھے۔ کتنا ظلم ہوتا اگر اس میت کو پھونک دیا جاتا۔

اسی روز دفن کے بعد ''پنڈت گنگا پرشاد آریہ'' نے۔ جو یہاں مقیم تھے۔ مولانا سے گفتگو کی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پنڈت کی قوت نے جواب دے دیا اور انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں جواب نہیں دے سکتا۔ گو کہ ہم مناظرہ سے بہت بچتے ہیں مگر جب عوام کی بدگمانی اور ان کے بہک جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور مجبور ہوتے ہیں تو ناگزیر مناظرہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ الحمدللہ! اس کے نتائج بہت اچھے ہوئے۔ یہاں کے لوگ اس یقین پر پہنچ گئے کہ آریہ میدان خالی پا کر بہکانے کے مرد ہیں۔ علماء کے سامنے ان کی ہمتیں جواب دے دیتی ہیں اور زبانیں بند ہو جاتی ہیں۔ عام لوگوں میں اس کے چرچے سنے گئے۔

شدھی کی آگ سرد ہو گئی: ''نوگانواں'' اس نواح میں ایک بڑا گاؤں ہے اور یہاں تخمیناً تین ہزار راجپوت آباد ہیں۔ ہمارا وفد تقریباً دو ماہ سے یہاں کام کر رہا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی بہت چوٹیاں بھی

کاٹی ہیں، نام بھی بدلے ہیں، نمازی بھی بنائے ہیں۔ رسوم شرک سے نفرت بھی دلائی ہے۔ بتدریج لوگ اثر لے رہے ہیں۔ کچھ پہلے سے بھی نمازی تھے۔ بعض قرآن شریف پڑھے ہوئے ہیں۔ بعض خراب حالت میں ہیں۔

اس گاؤں پر بھی آریوں کے دھاوے ہوتے رہتے ہیں اور آئے دن کوئی نہ کوئی آریہ پہنچتا رہتا ہے۔ ۲۳؍رجب کو ۷۸؍آریہ اس گاؤں میں پہنچے اور انہوں نے ''باوا جی کے استھل'' (جو ایک مندر ہے) پر راجپوتوں کو جمع کیا۔ غالباً انہیں پہلے سے تیار کیا ہوگا۔ ہمارے وفد کو اطلاع ملی کہ اس وقت ۶۰۔۷۰؍راجپوت شدھی کرنے کے لیے جمع کئے گئے ہیں۔ ''اگنی کنڈ'' کھودا گیا ہے۔ آگ جلائی گئی ہے۔ پنڈت اور پجاری مستعد ہیں۔ یہ سنتے ہی مولوی حشمت علی خاں صاحب وہاں پہنچے دیکھا کہ گڈھا کھدا ہوا ہے اور اس میں آگ جل رہی ہے۔ ۸۔۱۰؍آریہ پنڈت راجپوتوں کی ایک جماعت کو مندر کے چبوترے پر گھیرے بیٹھے ہیں۔ مولانا بھی بیٹھ گئے۔ آریوں نے ان کے وہاں آنے پر اعتراض کیا اور کہا: یہاں آپ کیوں آئے ہیں؟ جہاں ہم پہنچتے ہیں وہاں آپ آجاتے ہیں اس کا باعث؟ مولانا نے فرمایا کہ: آپ اپنے جانے کی صحیح اطلاع نہیں دیتے ورنہ جہاں آپ جائیں وہاں ہم پہنچنے کا پابندی سے التزام رکھیں۔ ہمارے آنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے: راجپوت ہمارے بھائی ہیں۔ ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم انہیں ملانا چاہتے ہیں۔ آپ کے پیٹ میں کیوں دکھ ہوتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ: راجپوت آپ کے بھائی تو نہیں ہیں اور وہ ملنا چاہتے تو آپ کو یوں محنتیں اٹھانے، سکھانے، سمجھانے، لالچ دلانے کی کیا ضرورت ہوتی؟ اگر آپ انہیں کوئی سچی تعلیم دینا چاہتے ہیں اور آپ کے زعم میں وہ تعلیم سچی ہے تو ہماری موجودگی سے کیا اندیشہ ہے؟ اور اگر سچی نہیں ہے تو بھائی بنا بنا کر غلط رستہ بتاتے ہو؟ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اگر آپ کوئی غلط رستہ بتائیں تو میں بھائیوں کو آگاہ کر کے ان کی رہنمائی کروں اور اگر اس پر بھی آپ کو میرا حاضر رہنا ناگوار ہو تو چلا جاؤں؟

اب آریوں نے مولانا کو بیٹھنے کی اجازت دی اور بحث شروع کر دی۔ اسلام پر اعتراض کرتے رہے مولانا نے جواب دیئے۔ دیر تک تقریر رہی۔ اثنائے تقریر میں کئی موقعوں پر آریوں کو اپنی غلطی اور کبھی کبھی اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنا پڑا۔ آخر کار آریہ لاجواب ہو گئے اور پنڈت شیام لال نے کہا: معاف کیجئے۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیجئے۔ ہم ہار گئے۔ یہ کہہ کر آریہ راجپوتوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور کہا کہ یہ باتیں تو ہو چکیں اب تم شدھی ہو جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ کھانے کے لیے اور یہ برہمن تمہیں اپنے میں ملانے کے لیے راضی ہیں۔ اس پر راجپوتوں کی جماعت میں سے ''نورنگ سنگھ نمبردار'' نے جواب دیا کہ ہمارا مولوی ایک تھا۔ تم دس تھے۔ اس ایک نے تم سب کو لاجواب کر کے ہرا دیا۔ اگر دو چار مولوی ہوتے تو تمہارے ہوش بھی ٹھیک نہ رہتے۔ ہم اسی دین پر ٹھیک ہیں۔ ہم نہ آریہ ہوں اور نہ ہندو۔ آپ مہربانی رکھئے۔

اس طرح آریہ ناکام واپس ہوئے اور ''اگنی دیوی'' پر پانی پڑ گیا۔ اللہ کی عظمت وجلال پر قربان جس نے دین حق کا بول بالا کیا اور اپنے ایک کمزور بندے کی حقانی صدا کو اہل باطل کی جمات پر غلبہ دیا۔ وله الحمد ایاك نعبدوایاك نستعین۔

نوگاواں میں آریوں کی دوسری ناکامی: ہمارے وفد کے سلسلہ تبلیغ میں ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا۔ایک نوجوان راجپوت جس کا نام ''ظاہر سنگھ'' ہے اور جو مذہبی گفتگوؤں سے دلچسپی رکھتا ہے، ہمارے وفد میں پہنچا اور آریوں کے اعتراضات بیان کر کے ان کے جواب لیتا رہا۔جب اس طرف سے اسے اطمینان ہو گیا تو اس نے یہ سوال کیا کہ آریہ مذہب پر آپ کو کیا اعتراض ہیں؟ وہ اسے بتائے گئے۔اس نے آریوں کی طرف سے اس قدر پاٹ (فیوروطرفداری) کہ جو الزامات دیئے گئے تھے،جن کا ثبوت ''سیتارتھ پرکاش'' سے دیا تھا،ان کا کوئی جواب نہ پا کر اس نے سیتارتھ پرکاش ہی کا انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یہ کتاب مسلمانوں نے بنالی ہے۔

اسی روز رات کو آریوں کی ایک جماعت نوگاواں پہنچی۔ ظاہر سنگھ نے آریوں سے دریافت کیا کہ سیتارتھ پرکاش آریوں ہی کی کتاب ہے یا کسی اور کی کتاب ہے؟ اس کا انہوں نے اقرار کیا۔ پھر تو اس نے جس قدر اعتراض سنے تھے،آریوں پر سب کی بارش کر دی۔آخر کار آریوں کو تکان اور نیند اور وقت زیادہ ہو جانے کا عذر کر کے پیچھا چھڑانا پڑا۔صبح ہوتے ہی روانہ ہو گئے۔ظاہر سنگھ اپنے ذاتی تجربہ سے اسلام کا نہایت گرویدہ ہو گیا اور اب اس کو ہمارے علماء کے ساتھ گہری عقیدت ومحبت ہے۔اب اس کا نام ''فیض بخش خاں'' ہے۔اس قسم کے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں۔

موضع ''سبئی'' میں بھی آریہ ہمارے عالم سے الجھے اور وہاں بھی فضل الٰہی سے یہ نتیجہ ہوا کہ سبئی کے لوگ بھی آریوں کے اس منظر کو دیکھ کر آریوں سے بدعقیدہ ہو گئے۔وہاں ایک شخص نے کہا کہ آریہ یوں تو بہت اچھل کود مچاتے تھے مگر ہمارا ایک چھوٹا سا مولوی آیا تو اس کے سامنے بات نہ کر سکے۔

غرض ہمارا وفد اس علاقہ میں اچھے اثر پیدا کر رہا ہے۔تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے۔نمازیں بھی سکھائی جا رہی ہیں۔خود بعض راجپوتوں میں اتنا احساس پیدا ہو چکا ہے کہ وہ ہندوانی نام بدلوانے کی استدعائیں کرنے لگے ہیں۔ان کو اس قدر انس بھی ہو گیا ہے کہ ہمارے عالم کو دیکھ کر اپنے زراعتی کام پر تقریریں سننے اور مسائل سیکھنے کو ترجیح دینے لگے ہیں۔تاہم ایک مدت تک اس کوشش کو مستقل جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔''اوندی'' اور ''بڑاولی'' کی حالت زیادہ اصلاح طلب ہے۔

شدھی ہو کر جنیو توڑنے کا واقعہ: ''بڑاولی'' میں آریوں نے پانچ آدمیوں کو آریہ بنایا۔کہا جاتا ہے کہ انہیں اسی روپئے دیئے گئے تھے جن میں سے ایک شخص ''یادرام'' ہے۔یہ شخص جنیو پہن کر گھر میں گیا اور گھڑا پانی کا خود بھر کر لے گیا اور اپنی بہن سے روٹی پکانے کو کہا۔اس کے بھائی نے اس کی روٹی پکانے کی ممانعت کر دی اور کہا کہ وہ تو بھنگی ہو گیا۔ہمارے یہاں تو ''سقا'' پانی بھرے گا۔اگر وہ چھوت منائے تو چلا جائے۔یہ سن کر یادرام نے جنیو اتارا اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پڑھ کر توڑ ڈالا۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ راجپوت آریہ ہونے کو بھنگی ہونا سمجھتے ہیں اور بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ان لوگوں کی نسبت آریوں کا یہ بیان کہ راجپوت آریہ ہونے کی درخواستیں کر رہے

ہیں، کس قدر غلط ہے؟ ہماری رائے ہے کہ اس حصہ وفد کو اس مدت تک اس علاقہ کے لے وقف کر دیا جائے جب تک کہ باذنہ تعالیٰ ان کی پوری اصلاح ہو اور رسوم کفار بالکل چھوٹ جائیں اور اسلامی زندگی کے یہ خوگر اور عادی ہو جائیں اور ان کی حالت اس طرح ہو جائے کہ آریہ ان کے بہکا لینے کی طمع نہ کر سکیں۔ ہم نے اپنے اراکین کو اس بات کی بہت تاکید کر دی ہے اور خدا کا ہم شکر کرتے ہیں کہ آزمائش کے موقعوں پر انہوں نے اپنے اخلاق کی ایسی مثالیں پیش کیں جن کی تقلید کی جائے تو بہتر ہوگا۔ ہندوں جہاں موقع پاتے ہیں ایذا رسانی سے درگزر نہیں کرتے۔ برا کہنا، تمسخر کرنا، کتے لگانا ایک ادنیٰ سی بات ہے۔ مگر وفد کو اپنے کام سے کام اور اپنے مطلب سے غرض رکھنا ہے۔ اس کو ان باتوں کی اصلاً پرواہ نہیں ہوتی۔

وفد کا دوسرا حصہ: ۳؍مارچ ۱۹۲۳ء/۱۴؍رجب ۱۳۴۱ھ روز شنبہ ''الطاف خاں صاحب'' ساکن سلطان پور آگرہ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ''اکترہ'' میں آریہ لوگ گئے ہیں۔ وہاں چلنا چاہیئے۔ مولوی سید غلام قطب الدین صاحب برہمچاری اور جناب مولوی سید احمد صاحب الوری وعبداللہ صاحب، اراکین وفد اسلام، فرستادۂ جماعت رضائے مصطفیٰ وہاں تشریف لے گئے۔ سلطان پور کی جماعت پہلے ہی مع چودھری نذیر احمد صاحب جے پوری پہنچ چکی تھی۔ اکترہ کے سب راجپوت ایک مقام پر جمع تھے۔ چودھری نذیر احمد صاحب جے پوری انہیں سمجھا رہے تھے۔ اکترہ کے سب لوگوں نے کہا: ایک تو مسجد ہمارے گاؤں میں بنوادی جائے اور ایک عالم یہاں بھیجا جائے کہ ہمارے بچے پڑھیں۔ مدرسہ ہونا چاہیئے۔ ''گھاسی رام مہاجن بنیے'' نے کہا کہ مجھ سے آریہ کہتے تھے کہ تم ۱۰۰؍روپیہ ''سالک رام وکیل'' آگرہ سے لے آؤ اور آریہ ہونے پر لوگوں کو راضی کرو۔ اس میں تمہارا نام ہوگا اور کارروائی بھی ہوگی۔ میں نے منع کر دیا کہ میں ایسا کام نہیں کر سکتا۔ اکترہ کے نگلے میں ۱۲؍رجب کو ۳۰؍سیر دہی بھی آ گیا تھا۔ ہم سب لوگ نگلے پہنچے اور آریہ لوگوں کو ڈانٹ دیا کہ یہاں کوئی شدھی نہیں ہوگا۔ البتہ ''ولی محمد'' عرف ''بلا راجپوت'' کو آریہ اپنے ساتھ لے گئے۔ بعد مغرب مولوی (سید قطب الدین) برہمچاری صاحب نے قرآن شریف پڑھ کر ''وید'' کا مقابلہ کر کے ان ہی کی زبان میں ان کو سنایا۔ نومسلم راجپوت بہت خوش ہوئے۔ ۸؍بجے شب کو سب حضرات ارکان وفد آگرہ کو روانہ ہوئے مگر جناب برہمچاری صاحب کو ان لوگوں نے روک لیا۔ مولوی صاحب موصوف نے اسلام کی خوبیاں ۱۲؍بجے شب تک سنائی۔ سب راجپوتوں نے عہد واقرار کیا کہ ہم میں کوئی آریہ نہ ہوگا۔ ہم لوگ اپنے دین اسلام پر قائم رہیں گے۔ دوسرے روز وہاں کے کئی راجپوت مولوی صاحب موصوف کے ساتھ وفد اسلام کے صدر مقام جو آگرہ محلّہ رکاب گنج ہے، آئے اور اب تک وہ لوگ مسائل سیکھنے کے لیے برابر آتے رہتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں کا زمیندار آریہ ہے اور وہ راجپوتوں پر آریہ ہو جانے کے لیے دباؤ ڈالتا رہتا ہے اور اسلام نہ چھوڑنے کی صورت میں سختیاں کرتا ہے۔ جس کے یہ لوگ شاکی ہیں۔ آریہ نے ایک پمفلیٹ ناگری حروف میں شائع کیا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی نہایت دل آزاری کی تھی اور اورنگ زیب غازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ظلم وستم اور بجبر مسلمان کرنے کے غلط اور گندے الزام لگائے تھے اور راجپوتوں کو آریہ بننے کی ترغیب دی تھی۔ اس کا

جواب ناگری میں ہمارے رکن وفد مولوی سید غلام قطب الدین صاحب برہمچاری نے تحریر فرمایا۔اسی دن چھپوا کر شائع کر دیا گیااور ''ساندھن'' کے جلسے میں ہماراوفد پہنچااور مولوی سید غلام قطب الدین برہمچاری نے بحیثیت رکن وفد مؤثر ودلکش تقریر فرمائی ۔مجمع نہیں چاہتا تھا کہ مولوی صاحب موصوف کا بیان ختم ہو۔

موضع ''کھتنیا''میں راجپوتوں کے عظیم اجتماع کی دو بار خبریں پہنچی اور دونوں بار ہمارا وفدان کی اصلاح کے لیے گیا مگر افسوس ! کہ خبر دینے والوں نے غلط خبر دی۔ہمیں وہاں راجپوتوں کا اجتماع نہ ملا۔اہل اسلام دعا فرمائیں ۔اللہ تعالیٰ ہماری خدمتیں قبول فرمائیں اورہمیں اورزیادہ کی توفیق دے اوران راجپوتوں کوشریعت طاہرہ کا پابند بنائے۔آمین ۔اکترہ میں ہم نے ایک عالم مولوی انعام اللہ صاحب کوبھیج دیا ہے۔

ہمارے وفد کا تیسرا حصہ: ہمارے وفد کا تیسرا حصہ ریاست بھرت پور میں تفتیش حالات کے لیے گیا تھا جو چار روز کے بعد واپس آیا۔اس علاقہ میں آریہ بہت آزادی سے کام کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی کوئی جماعت وہاں موجودنہیں جو وہاں کے نومسلم راجپوتوں کی حفاظت کرتی۔آریوں کو یہاں میدان خالی ملا۔پنڈت شردھانند کی جولان گاہ بھی یہی علاقہ ہے۔معلوم ہوا ہے کہ اس کو یہاں کی ریاست کے حکام سے خوب مدد ملتی ہے۔ہمارے وفد نے وہاں کام کرنے کی صورتیں اور کامیابی کے ذرائع ووسائل تیار کئے ہیں۔ان شاءاللہ تعالیٰ عنقریب ایک کارکن جماعت وہاں بھیجی جائے گی۔ملک سے علماءاورانجمنیں ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہا کر رہی ہیں اور ہمارے ساتھ رہ کر کام کرنے کے لیے اپنے وفوداور مبلغین بھیجنے کے لیے تیار ہیں۔بہرائچ کے جناب مولانا مولوی قاضی احسان الحق صاحب نعیمی بھی بہرائچ سے تشریف لائے ہیں اورانہوں نے ہماری جماعت کے ماتحت کام بھی شروع کر دیا ہے۔آپ عالم ہونے کے علاوہ ایک مدبراورموقع شناس شخص ہیں اوردرداسلام دل میں رکھتے ہیں۔

انجمن نعمانیہ لاہور کا وفد: انجمن نعمانیہ لاہور نے ہماری جماعت کے ساتھ کام کرنے کے لیے ایک وفد روانہ کیا ہے جو ہمارے صدر مقام آگرہ پہنچ گیا ہے۔وفد دولوگوں پر مشتمل ہے ایک جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب ۔ایک جناب مولوی سیف الرحمٰن صاحب۔ہم ان صاحبوں کوابتداء میں اپنے اسی وفد کے ساتھ رکھیں گے تاکہ وہ کام کے طریقے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔پھرکسی رکن کی معیت میں انہیں کسی دوسرے مقام پر بھیجا جائے گا۔ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے پنجاب سے اور وفود کے آنے کی بھی اطلاعیں مل چکی ہیں۔ضرورت بہت زیادہ ہے۔کام کے حدود بہت وسیع ہیں۔کارکن جس قدر بھی بہم پہنچے،نعمت ہیں۔ہم انجمنوں کے شکر گزار ہیں جو اپنے وفد بھیجتی ہیں۔انہوں نے وقت پر دینی ضرورت کا احساس کیا۔اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہمارے صدر مقام کا پتہ ''آگرہ محلّہ رکاب گنج'' ہے۔وفود کو یہیں پہنچنا چاہیئے اورتمام خط وکتابت بھی اسی پتہ پر ہونا چاہیئے ۔

(ماخوذ دبدبۂ سکندری، رامپور ۹/اپریل ۱۹۲۳ء شمارہ ۲۳ جلد ۵۹ ص ۱۱ تا ۱۵)

شیر بیشۂ اہلِ سنت کے مقابلے میں

دیوبندی وہابی مولویوں کا مناظرے سے فرار

از۔ میثم عباس قادِری رضوی

اِمَامُ الْمُنَاظِرِیْن، فاتحِ مذاہبِ باطلہ، مظہرِ اعلیٰ حضرت، شیر بیشۂ اَہْلِ سُنَّت، حضرت، علامہ، مولانا، حافظ، قاری، مفتی، مناظر، شاہ، ابوالفتح، عُبَیْدُ الرَّضا، محمد حشمت علی خاں قادِری، رضوی، لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے اپنی کتاب ''شمع منوّر رہِ نجات'' میں ایک جگہ بہ طور تحدیثِ نعمت بیان فرمایا ہے:

"بِعَوْنِ تَعَالیٰ وَبِعَوْنِ حَبِیْبِہٖ صَلَّی الْمَوْلٰی تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّم میرے مقابلہ میں جملہ اکابر واصاغرِ دیوبندیہ کو فضیحت انگیز شکستِ مبین اور رُسوا کن ہزیمتِ مہین حاصل ہو چکی ہے۔''

(شمع منوّر رہِ نجات، صفحہ ۸۵، مطبوعہ عسکری اکیڈمی، چمنِ فاطمی، حشمت نگر، پیلی بھیت شریف۔ یوپی۔ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ۔ ستمبر ۲۰۲۲ء)

چنانچہ اسی کتاب میں ایک اور مقام پر آپ مختصر طور پر یہ ذِکر فرماتے ہیں کہ کون کون سا دیوبندی وہابی مولوی کس کس موقع پر ان کے سامنے سے فرار ہوا، اور کہاں کہاں اُنہوں نے ان کے کس کس مولوی سے مناظرے کیے۔ ملاحظہ فرمائیے:

☆''جب اہلِ سنت کی طرف سے ایسا لکھ کر بھیج دیا گیا تو سب لوہے ٹھنڈے ہو گئے۔ ''بھدرسے'' کے بے چارے وہابیہ دیوبندیہ تو مجھے جانتے نہ تھے، سمجھے ہوئے تھے کہ چیلنج کی دھمکی سے ڈر کر حشمت علی بھی بھاگ جائے گا، لیکن اُن کے مولوی صاحبان تو مجھے خوب پہچانتے ہیں۔

☆''مدرسہ مداری دروازہ، بریلی شریف'' کے جلسے میں جب مولوی تھانوی صاحب آئے، تو میرے مقابلے سے فرار فرما گئے۔

''ابوہر منڈی'' میں مولوی مرتضٰی حسن صاحب دربھنگی۔

☆''نوساری ضلع سُورت'' میں مولوی عبدالشکور صاحب کاکوروی۔

☆ ''مانڈلے اپر برما'' میں مولوی عبدالشکور کاکوروی ومولوی منظور سنبھلی صاحبان۔

☆''مالیگاؤں ضلع سُورت'' میں وہاں کے گیارہ دیوبندی مولوی صاحبان۔

☆''بمبئی'' میں ایک مرتبہ مولوی شبیر احمد دیوبندی صاحب۔

☆دوسری بار مولوی مرتضٰی حسن صاحب دربھنگی۔

☆تیسری بار مولوی احمد سعید دہلوی۔

☆چوتھی مرتبہ مولوی منظور سنبھلی صاحب۔

☆اور کئی مرتبہ بمبئی کے مشہور وہابی دیوبندی خواجہ حسن سرہندی صاحب۔

☆''رنگون'' میں مولوی شبیر احمد دیوبندی ومولوی انور شاہ کشمیری

صاحبان۔

☆''شہر فتح پور'' میں مولوی منظور سنبھلی۔

☆''راندیر ضلع سُورت'' میں مولوی عبدالشکور کاکوروی و مولوی مرتضٰی حسن دربھنگی صاحبان میرے مقابلے سے فرار فرما چکے ہیں۔

☆''ہلدوانی منڈی ضلع نینی تال'' میں مولوی یاسین خام سرائی صاحب سے۔

☆''محلّہ چک منڈی، لکھنؤ'' میں مولوی عبدالشکور کاکوروی صاحب سے۔

☆''پادرہ ضلع سُورت'' میں مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب، ایڈیٹر اخبار ''اہلِ حدیث'' سے۔

☆''راندیر ضلع سُورت'' میں مولوی محمد حسین راندیری صاحب سے۔

☆''لاہور'' و''اَدری ضلع اعظم گڑھ'' (اس وقت ادری ضلع مئو میں ہے) و''سلاں والی ضلع جہلم'' و''سنبھل ضلع مراد آباد'' و''گیا'' میں مولوی منظور سنبھلی صاحب سے۔

☆''نانپارہ ضلع بہرائچ شریف'' و''موراواں ضلع اناؤ'' میں مولوی نور محمد ٹانڈوی صاحب سے۔

☆''ملتان شریف'' میں مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری صاحب سے۔

☆''شہر سلطان ضلع مظفرگڑھ'' میں وہاں کے بائیس دیوبندی مولویوں سے۔

☆''بسڈیلہ، ڈاکخانہ دودھارا ضلع بستی'' میں مولوی عبداللطیف مئوی صاحب سے، عقائدِ کفریہ وہابیہ دیوبندیہ پر میرے مناظرے ہو چکے ہیں اور ان مقامات کے علاوہ جہاں جہاں وہابیہ دیوبندیہ کے مولوی صاحبان سے میرے مناظرے اور مقابلے ہو چکے ہیں۔ اُن سب مقاماتِ کثیرہ کی فہرست مجھے اس وقت یاد نہیں۔''

(شمع منوّر رہِ نجات، صفحہ ۱۷۰، ۱۶۹، مطبوعہ عسکری اکیڈمی، چمنِ فاطمی، حشمت نگر، پیلی بھیت شریف۔ یوپی۔ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ۔ ستمبر ۲۰۲۲ء)

مولوی اشرفعلی تھانوی کے حضرت شیر بیشۂ اہلِ سنت، علامہ مولانا محمد حشمت علی خان لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے مقابلے سے فرار کا دیوبندی کتاب سے ثبوت: جیسا کہ آپ نے اُوپر ملاحظہ کیا کہ حضرت شیر بیشۂ اہل سنت تحریر فرماتے ہیں:

''مدرسہ مداری دروازہ، بریلی شریف'' کے جلسے میں جب مولوی تھانوی صاحب آئے تو میرے مقابلے سے فرار فرما گئے۔''

(شمع منوّر رہِ نجات، صفحہ ۱۶۹، مطبوعہ عسکری اکیڈمی، چمنِ فاطمی، حشمت نگر، پیلی بھیت شریف۔ یوپی۔ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ۔ ستمبر ۲۰۲۲ء)

حضرت شیر بیشۂ سنت کی اس بات کی تائید ایک دیوبندی کتاب سے پیش ہے۔ دیوبندی فرقہ کے ایک سرقہ باز و خائن شخص نے ''حفظ الایمان'' کی گستاخانہ عبارت کے دِفاع کے سلسلے میں مولوی اشرفعلی تھانوی کے فرار کا یہی واقعہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولوی اشرفعلی تھانوی نے حضرت شیر بیشۂ اَہْلِ سُنَّت، علامہ، مولانا، حافظ، قاری، مفتی، مناظر، شاہ، ابوالفتح، عُبَیْدُ الرَّضا، محمد حشمت علی خاں قادِری، رضوی، لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے مقابلے سے راہِ فرار اختیار کی۔ اِقتباس ذیل میں ملاحظہ کیجیے:

''کرامت تو یہ تھی کہ جب میں بریلی میں ''منظر الاسلام''، اعلیٰ حضرت کے مدرسہ میں طالب علم تھا، حضرت تھانوی صاحب مرحوم

''بریلی'' میں ایک جلسہ میں تقریر کے لیے تشریف لائے۔ رضاخانی پارٹی ان کی آمد پر بہت خوش ہوئی، اور مولوی حشمت علی صاحب نے مولانا صاحب سے مناظرہ کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا: فقیر کسی سے مناظرہ کرنے نہیں آیا۔''

(دفاع اَھلِ السُّنَّة والجماعة، جلد ا، صفحہ ۴۸، مطبوعہ مکتبہ ختم نبوۃ، پشاور۔ طبع اوّل)

قارئین! آپ نے ملاحظہ کیا کہ دیوبندی کتاب سے بھی یہ ثابت ہوگیا کہ ''بریلی شریف'' کے ایک جلسے میں شرکت کے لیے آئے مولوی اشرفعلی تھانوی نے مظہرِ اعلیٰ حضرت، شیر بیشۂ اَہْلِ سُنَّت، حضرت علامہ مولانا محمد حشمت علی خاں لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مناظرہ سے راہِ فرار اختیار کی۔

دیوبندی مذہب کے مزعومہ ''شیخ الاسلام'' مولوی شبیر احمد عثمانی و مزعومہ ''امام اعظمِ ثانی'' مولوی انور شاہ کشمیری کے شیر بیشۂ اہلِ سنت، حضرت علامہ مولانا محمد حشمت علی خان لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے مناظرہ سے فرار کا مستند دیوبندی کتاب سے ثبوت:

جیسا کہ اُوپر نقل کردہ اقتباس میں آپ حضرت شیر بیشۂ سنت کے قلم سے یہ ملاحظہ فرما آئے ہیں کہ:

''رنگون میں مولوی شبیر احمد دیوبندی و مولوی انور شاہ کشمیری صاحبان۔۔۔۔ میرے مقابلے سے فرار فرما چکے ہیں۔''

(شمع منوّر رَہِ نجات، صفحہ ۱۶۹، مطبوعہ عسکری اکیڈمی، چمنِ فاطمی، حشمت نگر، پیلی بھیت شریف۔ یوپی۔ صفر المظفر ۱۴۴۴ھ۔ ستمبر ۲۰۲۲ء)

حضرت شیر بیشۂ سنت کی اس بات کی تصدیق اور آپ کے مقابلے سے مذکورہ دونوں اکابر دیوبندی علما کے فرار کا ثبوت دیوبندی کتاب سے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ مولوی عبدالرؤف جگن پوری دیوبندی نے اپنی کتاب ''بَرَائَۃُ الْاَبْرَارِ عَنْ مَکَائِدِ الْاَشْرَار'' ملقب بہ ''قہرِ آسمانی'' میں اہلِ سنت کا ایک اشتہار نقل کیا ہے جس کا عنوان ہے:

''مولانا محمد انور شاہ و مولانا شبیر احمد صاحبان کو کھلا چیلنج''

اس اشتہار میں اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے دیابنہ کو چیلنج دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ہمارے مولانا مفتی محمد حشمت علی صاحب لکھنوی ۳۱/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کے میل سے ''رنگون'' میں بہ غرضِ مناظرہ تشریف لا رہے ہیں، آپ لوگوں کو بالکل تیار رہنا چاہیے۔ آپ حضرات کی حقانیت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ کہ بغیر مناظرہ و تصفیہ کیے ہوئے یہاں سے تشریف نہ لے جائیں۔ مجھے ''راندیر'' کے ہمدرد گجراتی اخبار کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آپ صوبہ ''برما'' میں ڈیڑھ ماہ تک قیام پذیر رہیں گے۔ اس وجہ سے میں نے مولانا حشمت علی صاحب کو بہ غرضِ مناظرہ بُلایا ہے، اور آپ حضرات کو یہ چیلنج دے رہا ہوں۔ لہٰذا اس سے پہلے ہرگز نہ جائیے، ورنہ پبلک میں بدنام ہوں گے۔ فقط۔

المشتہر: اسمٰعیل نور اللہ احدل نظامی۔ ۲۵/ اکتوبر ۱۹۳۰ عیسوی۔ مطبوعہ شیر پرنٹنگ پریس نمبر ۲۵۷۔ اسپارک اسٹریٹ، رنگون۔

جب یہ اشتہار جناب مولانا شبیر احمد صاحب مُدَّ ظِلُّہُ الْعَالِی کے پاس پہنچا، تو آپ نے اپنے آخری وعظ میں، جو ''مغل اسٹریٹ'' میں ہوا تھا، صاف صاف بیان کیا، اور کہا کہ: میں ''رنگون'' کو میدانِ جنگ بنانے نہیں آیا ہوں کہ مسلمان آپس میں لڑ مریں اور اُن کے آپس

کے تعلقات ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائیں، بلکہ میں اَمر بالمَعرُوف نَهی عَنِ المُنکَر کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے نہ کوئی پہلے اختلافی مسائل بیان کیے تھے، اور نہ اب بیان کیے۔ بلکہ اتباعِ سُنَّتِ نبوی کا مضمون بیان کیا، جس سے لوگوں کو بے حد نفع حاصل ہوا۔ چونکہ مولانا ممدوحین (مدرسہ دارُالعلوم ڈابھیل ضلع سورت) سے پندرہ یوم کی رُخصت لے کر تشریف لائے تھے، اور اہلِ رنگون سے پیشتر ہی پندرہ یوم کے ٹھہرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس لیے اپنے وعدے کے موافق پندرہ یوم کی رُخصت پوری کر کے دوسرے روز یہاں سے تشریف لے جانے کا اِرادہ فرمایا۔۔۔تشریف لے جاتے وقت ایک اچھا خاصا مجمع مولانا ممدوحین کے ساتھ جٹی پر گیا، اور مصافحہ ومعانقہ کے بعد جہاز پر سوار کیا''۔

(بَرائَۃُ الْاَبْرَارِ عَنْ مَکَائِدِالْاَشْرَار، ملقب بہ، قہر آسمانی، صفحہ ۱۹، ۲۰، مطبوعہ تحفظِ نظریاتِ دیوبند اکادمی، کراچی، پاکستان۔ عکسی اشاعت سِوُم: اگست ۲۰۱۲ء)

مولوی عبدالرؤف جگن پوری کے قلم سے ثابت ہوا کہ دیوبندی مذہب میں ''شیخ الاسلام'' سمجھے جانے والے مولوی شبیر احمد عثمانی اور ''امامِ اعظمِ ثانی'' سمجھے جانے والے مولوی انور شاہ کشمیری نے اہلِ سنت کی جانب سے دیے گئے مناظرے کے چیلنج کے جواب میں میدانِ مناظرہ میں مظہرِ اعلیٰ حضرت، شیر بیشۂ اَہْلِ سُنَّت، حضرت، علامہ، مولانا، حافظ، قاری، مفتی، مناظر، شاہ، ابوالفتح، عُبَیْدُ الرَّضا محمد حشمت علی خاں قادِری، رضوی، لکھنوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا مقابلہ کرنے کے بجائے راہِ فرار اختیار کرنے میں عافیت سمجھی۔

''منگتے کبھی سرکار کے جھڑکے نہیں جاتے''

ازقلم۔ کلیم احمد رضوی مصباحی، پوکھریرا شریف

آنکھوں سے مدینے کے نظارے نہیں جاتے
یوں زرعِ تمنائی سے سبزے نہیں جاتے

بے نور نظر آتے ستارے سرِ افلاک
ذرّاتِ مدینہ سے جو صدقے نہیں جاتے

دل داریِ عالم ہے شہا! آپ کا شیوہ
دل آپ کے دربار میں توڑے نہیں جاتے

اے حسنِ خیالِ رخِ سرکارِ مدینہ
ہے تیرا کرم، دل سے اجالے نہیں جاتے

وہ رُخ کہ ہے جس رُخ سے رُخِ ہست پہ رونق
رُخ والے بھی رُخ پھیر کے اس سے نہیں جاتے

سرکار کی حرمت سے فُزوں جان ہے کس کی
کب ان کے لیے رن میں جیالے نہیں جاتے

جو ذرّہ ''بوذر'' ہیں وہی صاحبِ ذر ہیں
زردار بھی ان ذروں سے آگے نہیں جاتے

کافی ہے ہمیں چشمِ قدح سازسا کوثر
ہم اور کسی جام سے پینے نہیں جاتے

سیلاب ہو جیسا بھی، مدینے کے سوا ہم
خاشاک کی صورت کہیں بہہ کے نہیں جاتے

دنیائے تمنا کا ہر اک فرد ہے واقِف
''منگتے کبھی سرکار کے جھڑکے نہیں جاتے''

لے آتے ہیں اس سے بھی کلیم آپ گلِ فن
جس شاخِ تخیل پہ پرندے نہیں جاتے

یزید کی بیعت نہ کرنے کے دُور رَس اَثرات

از۔ڈاکٹر فیض احمد چشتی

حضرت سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ نے نہ صِرف خوفِ خدا، تقویٰ و پرہیز گاری، جرأت و بہادری اور حِلم و بُردباری جیسے عظیم اَوصاف سے نوازا تھا بلکہ فِراست، تدَبُّر اور دُور اندیشی جیسی اعلیٰ صلاحیتیں بھی عطا فرمائی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت نہ کرنا آپ کی فِراست اور دور اندیشی پر دلالت کرتا ہے، جس کے یہ اَثرات ظاہر ہوئے:

☆ **حق و باطل میں فرق:** امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کر کے تا قیامت حق و باطل میں فرق کر دیا۔

☆ **نا اہل کو مَنْصَب دینے کی مُمانَعَت:** آپ کے بیعت نہ کرنے سے دنیا پر واضح ہو گیا کہ نا اہل کو کبھی کوئی منصب نہ دیا جائے اور اگر بالفرض وہ زبردستی کسی عُہدے کو حاصل کر لے تو اہلِ عزیمت کو چاہیے کہ ہرگز اُس کی اِطاعت نہ کریں۔

☆ **فسق و فجور کا دروازہ بند کر دیا:** اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو اس کی ہر بدکاری کے جواز کے لیے آپ کی بیعت سند (یعنی دلیل) ہو جاتی اور شریعتِ اِسلامیہ و ملّتِ حنیفہ کا نقشہ مٹ جاتا۔

☆ **نظامِ اِسلام کا تَحَفُّظ:** اگر آپ یزید کی بیعت کر لیتے تو یزید آپ کی بہت قدر و منزلت کرتا، خوب مال و دولت نچھاور کرتا لیکن اِسلام کا نظام درہم برہم ہو جاتا اور ایسا فساد برپا ہوتا جسے بعد میں دور کرنا دُشوار ترین ہوتا۔

☆ **اَحکامِ شرعیَّہ میں برابری:** آپ کا یزید کی بیعت نہ کرنا اس کے فِسق و فجور کو واضح کرتا ہے اور اس بات کو بھی پختہ کرتا ہے کہ اَحکامِ شرعیہ ایک عام آدمی و حاکم سب کے لیے برابر ہیں، جس طرح عام شخص کا فِسق و فجور سے بچنا ضَروری ہے اسی طرح حاکم کا بھی۔

☆ **اِسلامی ریاست کا تَحَفُّظ:** امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی فراست سے جان لیا تھا کہ یزید بیعت کے بعد اِسلامی ریاست کا کیا حال کرے گا۔ اسی لیے آپ نے بیعت نہ کی، آپ کی شہادت کے بعد یزیدی فوجوں نے مدینۂ منورہ پر لشکر کشی کی، سینکڑوں صحابۂ کرام علیہمُ الرِّضوان کو شہید کیا، مسجدِ نبوی شریف کے ستون سے گھوڑے باندھے، تین دن تک مسجد میں لوگ نماز سے مشرَّف نہ ہو سکے، مدینہ میں خوب لوٹ مار کی گئی۔

(وفاء الوفا جلد 1 صفحہ 134)

مکّہ مکرّمہ پر چڑھائی کی گئی، پتھر برسائے گئے حتی کہ مسجدُ الحرام کا صحن پتھروں سے بھر گیا، کعبۃُ اللہ کے غلاف اور چھت کو ان بے دینوں نے جلا دیا اور کعبۃُ اللہ کی بے حرمتی کی۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ 167، سوانح کربلا، صفحہ 178)

☆ **قیامِ اَمن اور رعایا کے حقوق:** قیامِ اَمن اور رعایا کے

حقوق پورے کرنا حاکم کی ذمّہ داریوں میں سے اہم ترین ذمّہ داری ہوتی ہے لیکن یزید اور اس کے حواری (ساتھی) قیامِ اَمن اور رعایا کے حقوق پورے کرنے کے مخالف تھے، امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت نہ کر کے پوری دنیا کو قیامِ امن اور رعایا کے حقوق پورے کرنے کا پیغام دیا۔

☆ **قربانی کا درس:** امامِ حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی اور اپنے احباب کی جانوں کا نذرانہ راہِ خدا میں پیش کر کے امّتِ مسلمہ کو حق پر قائم رہنے اور ظلم کے سامنے سر نہ جھکانے کا نہ صرف درس (Lesson) دیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ دینِ اسلام کی خاطر اپنی جان تک قربان کرنے سے پیچھے نہ ہٹا جائے۔ راہِ خدا میں اپنا گھر بار، بیوی، بچے، مال و دولت سب کچھ لُٹانے کے سبب امامِ حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب کا نام اب تک عزّت و عَظَمت کے ساتھ لیا جاتا ہے اور آئندہ بھی لیا جاتا رہے گا جبکہ یزید اور یزیدیوں کی اب تک مذمت و ملامت ہوتی آئی ہے اور تا قیامت اس کا نام تحقیر سے لیا جاتا رہے گا۔

کرامات امام حسین رضی اللہ عنہ: اللہ عزوجل نے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کثیر معجزات سے نوازا بلکہ معجزہ بنا کر بھیجا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی بے شمار کرامات سے نوازا تھا جن کا ظہور میدانِ کربلا میں بھی ہوا۔ جہاں آپ رضی اللہ عنہ 50 سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود شجاعت و بہادری کے ساتھ میدانِ کربلا میں دشمنانِ اہلِ بیت سے جنگ کرتے رہے وہیں آپ رضی اللہ عنہ سے مختلف کرامات ظاہر ہوئیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

☆ **ولادتِ با کرامت:** حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین سراپا کرامت تھے حتی کہ آپ کی ولادت باسعادت بھی با کرامت ہے۔ حضرت سیدی عارف باللہ نورُ الدّین جامی قدس سرہ السامی ''شواهد النبوة'' میں فرماتے ہیں:

''سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت با سعادت چار شعبان المعظم ۴ھ کو مدينة المنورة زادها الله شرفا و تعظيما میں منگل کے دن ہوئی۔ منقول ہے کہ امامِ پاک رضی اللہ عنہ کی مدت حمل چھ ماہ ہے۔ حضرت سیدنا یحیٰی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اور امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا بچہ زندہ نہ رہا جس کی مدت حمل چھ ماہ ہوئی ہو۔''

(شواهد النبوة صفحہ ۲۲۸ مکتبة الحقيقة ترکی)

☆ **رُخسار سے انوار کا اظہار:** حضرت علامہ جامی قدس سرہ السامی مزید فرماتے ہیں:

''حضرت امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ جب اندھیرے میں تشریف فرما ہوتے تو آپ رضی اللہ عنہ کی مبارک پیشانی اور دونوں مقدس رخسار سے انوار نکلتے اور قرب و جوار ضیا بار (یعنی روشن) ہو جاتے۔

(شواهد النبوة صفحہ ۲۲۸)

☆ **کنویں کا پانی اُبل پڑا:** حضرتِ سیدنا امامِ عالی مقام امامِ حُسین رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ (زادهما الله شرفا و تعظيما) کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں حضرت سیدنا ابنِ

مُطیع علیہ رحمۃ اللہ البدیع سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے عرض کی میرے کنویں میں پانی بہت ہی کم ہے، برائے کرم! دُعائے بَرَکت سے نواز دیجیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُس کنویں کا پانی طلب فرمایا۔ جب پانی کا ڈول حاضر کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے منہ لگا کر اُس میں سے پانی نوش کیا اور کُلّی کی۔ پھر ڈول کو واپَس کنویں میں ڈال دیا تو کنویں کا پانی کافی بڑھ بھی گیا اور پہلے سے زیادہ میٹھا اور لذیذ بھی ہوگیا۔

(الطبقات الکبریٰ جلد نمبر ۵ صفحہ ۱۱۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

☆ **گھوڑے نے بدلگام کو آگ میں ڈال دیا:** حضرتِ سیدُنا امامِ حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یومِ عاشُورا یعنی بروز جُمُعَۃُ المبارَکہ ۱۰ مُحَرَّمُ الحرام ۶۱ھ کو یزیدیوں پر اِتمامِ حُجّت کرنے کے لیے جس وَقت میدانِ کربلا میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے مظلوم قافلے کے خیموں کی حفاظت کے لیے خندق میں روشن کردہ آگ کی طرف دیکھ کر ایک بد زبان یزیدی (مالک بن عُروہ) اِس طرح بکواس کرنے لگا: ''اے حسین! تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگا دی۔'' حضرت سیدنا امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کَذَبتَ یا عَدُوَّ اللہ یعنی اے دشمنِ خدا! تو جھوٹا ہے، کیا تجھے یہ گمان ہے کہ معاذ اللہ عزوجل میں دوزخ میں جاؤں گا۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے قافلے کے ایک جاں نثار جوان حضرت سیدنا مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ سے اُس منہ پھٹ بدلگام کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت امام علی مقام رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر اجازت دینے سے انکار کیا کہ ہماری طرف سے حملے کا آغاز نہیں ہونا چاہیے۔ پھر امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے دستِ دُعا بلند کر کے عرض کی: اے ربِ قہار! عزوجل اس نابکار کو عذابِ نار سے قبل بھی اس دنیائے ناپائیدار میں آگ کے عذاب میں مبتلا فرما۔ فوراً دعا مستجاب (قبول) ہوئی اور اُس کے گھوڑے کا پاؤں زمین کے ایک سوراخ پر پڑا جس سے گھوڑے کو جھٹکا لگا اور بے ادب و گستاخ یزیدی گھوڑے سے گرا، اُس کا پاؤں رَکاب میں اُلجھا، گھوڑا اُسے گھسیٹتا ہوا دوڑا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا اور بدنصیب آگ میں جل کر بھسم ہوگیا۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے سجدہ شکر ادا کیا، حمدِ الٰہی بجالائے اور عرض کی: یا اللہ عزوجل تیرا شکر ہے کہ تُو نے آلِ رسول کے گستاخ کو سزا دی۔

(سوانحِ کربلا صفحہ ۸۸)

☆ **سیاہ بچھو نے ڈنک مارا:** گستاخ و بدلگام یزیدی کا ہاتھوں ہاتھ بھیانک انجام دیکھ کر بھی بجائے عبرت حاصل کرنے کے اِس کو ایک اتفاقی امر سمجھتے ہوئے ایک بے باک یزیدی نے بکا: آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا نسبت؟ یہ سن کر قلبِ امام کو سخت ایذا پہنچی اور تڑپ کر دُعاء مانگی: ''اے ربِ جبار عزوجل اِس بدگفتار کو اپنے عذاب میں گرفتار فرما۔'' دعا کا اثر ہاتھوں ہاتھ ظاہر ہوا اُس بکواسی کو ایک دم قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی فوراً گھوڑے سے اُتر کر ایک طرف کو بھاگا اور برہنہ ہو کر بیٹھا، ناگاہ ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا، نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا، نہایت ہی ذلت کے ساتھ اپنے لشکریوں کے سامنے اِس بدزبان کی جان نکلی۔ مگر ان

سنگ دلوں اور بے شرموں کو عبرت نہ ہوئی۔ اِس واقِعہ کو بھی ان لوگوں نے اتفاقی امر سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

(سوانحِ کربلا صفحہ ۸۹)

☆ **گستاخِ حُسین پیاسا مرا:** یزیدی فوج کا ایک سخت دل مُزنی شخص امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر یوں بکنے لگا: دیکھو تو سہی دریائے فُرات کیسا موجیں مار رہا ہے، خدا کی قسم تمہیں اس کا ایک قطرہ بھی نہ ملے گا اور تم یوں ہی پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رب الانام عزوجل میں عرض کی: اللھم امته عطشانا۔ یعنی یا اللہ عزوجل اس کو پیاسا مار۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دعا مانگتے ہی اس بے حیا مزنی کا گھوڑا بدک کر دوڑا۔ مزنی پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگا، پیاس کا غلبہ ہوا اس شدت کی پیاس لگی کہ العطش! العطش! یعنی ہائے پیاس ہائے پیاس! پکارتا تھا مگر جب پانی اس کے منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ بھی نہ پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی شدت پیاس میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

(سوانح کربلا صفحہ ۹۰)

معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کو امامِ پاک رضی اللہ عنہ کی بے ادبی قطعاً نامنظور ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کا بدگو دونوں جہاں میں مردود و مطرود ہے۔ گستاخانِ حُسین کو دنیا میں بھی دردناک سزاؤں کا سامنا ہوا اور اس میں یقیناً بڑی عبرت ہے۔ خلیفہ اعلیٰ حضرت، صدرُ الافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی بعض گستاخانِ حسین کے ہاتھوں ہاتھ ہونے والے عبرت ناک بدانجام کے واقعات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''فرزندِ رسول کو یہ بات بھی دکھا دینی تھی کہ اس کی مقبولیتِ بارگاہِ حق عزوجل پر اور ان کے قرب و منزلت پر جیسی کہ نصوصِ کثیرہ و احادیثِ شہیرہ شاہد ہیں، ایسے ہی ان کے خوارق و کرامات بھی گواہ ہیں۔ اپنے اس فضل کا عملی اظہار بھی اتمامِ حجت کے سلسلے کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو کہ جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلہ میں آنا خدا عزوجل سے جنگ کرنا ہے۔ اس کا انجام سوچ لو اور باز رہو مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے اور دنیائے ناپائیدار کی حرص کا بھوت جوان کے سروں پر سوار تھا اُس نے اِنہیں اندھا بنا دیا۔

(سوانحِ کربلا)

☆ **نور کا ستون اور سفید پرندے:** امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے سرِ منور سے متعدد کرامات کا ظہور ہوا۔ اہلِ بیت علیہم الرضوان کے قافلے کے بقیہ افراد 11 محرم الحرام کو کوفہ پہنچے۔ جب کہ شہدائے کربلا علیہم الرضوان کے مبارک سر اُن سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سرِ انور رُسوائے زمانہ یزیدی بدبخت خولی بن یزید کے پاس تھا۔ یہ مردود رات کے وقت کوفہ پہنچا۔ قصرِ امارت (یعنی گورنر ہاؤس) کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ یہ سرِ انور کو لے کر اپنے گھر آ گیا۔ ظالم نے سرِ انور کو بے ادبی کے ساتھ زمین پر رکھ کر ایک بڑا برتن اس پر اُلٹ کر اس کو ڈھانپ دیا اور اپنی بیوی ''نوار'' کے پاس جا کر کہا: میں تمہارے لیے زمانے بھر کی دولت لایا ہوں۔ وہ دیکھ حسین بن علی کا سر تیرے گھر پڑا

ہے۔ وہ بگڑ کر بولی: تجھ پر خدا کی مار! لوگ تو سیم و زر لائیں اور تو فرزندِ رسول کا مبارک سر لایا ہے؟ خدا کی قسم! اب میں تیرے ساتھ کبھی نہ رہوں گی۔ ''نوار'' یہ کہہ کر اپنے بچھونے سے اُٹھی اور جدھر سرِ انور تشریف فرما تھا اُدھر آ کر بیٹھ گئی۔ اُس کا بیان ہے: خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ ایک نور برابر آسمان سے اس برتن تک مثل ستون چمک رہا تھا۔ اور سفید پرندے اس کے اردگرد منڈلا رہے تھے۔ جب صبح ہوئی تو خولی بن یزید سرِ انور کو ابنِ زیاد بدنہاد کے پاس لے گیا۔

(الکامل فی التاریخ جلد۳ صفحہ۴۳۴)

☆ **خولی بن یزید کا دردناک انجام:** دنیا کی محبت اور مال و زر کی ہوس انسان کو اندھا اور انجام سے بے خبر کر دیتی ہے۔ بد بخت خولی بن یزید نے دنیا ہی کی محبت کی وجہ سے مظلومِ کربلا کا سرِ انور تن سے جدا کیا تھا۔ مگر چند ہی برس کے بعد اس دنیا ہی میں اس کا ایسا خوفناک انجام ہوا کہ کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ چنانچہ چند ہی برس کے بعد مختار ثقفی نے قاتلینِ امامِ حسین کے خلاف جو انتقامی کاروائی کی، اس ضمن میں صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مختار نے ایک حکم دیا کہ کربلا میں جو شخص لشکرِ یزید کے سپہ سالار عمرو بن سعد کا شریک تھا وہ جہاں پایا جائے مار ڈالا جائے۔ یہ حکم سن کر کوفہ کے جفا شعار سور مابصرہ بھاگنا شروع ہوئے۔ مختار کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا جس کو جہاں پایا ختم کر دیا۔ لاشیں جلا ڈالیں، گھر لوٹ لیے۔ خولی بن یزید وہ خبیث ہے جس نے حضرت امامِ عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک تنِ اقدس سے جدا کیا تھا۔ یہ رُوسیاہ بھی گرفتار کر کے مختار کے پاس لایا گیا، مختار نے پہلے اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹوائے پھر سُولی چڑھایا، آخر آگ میں جھونک دیا۔ اس طرح لشکر ابنِ سعد کے تمام اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کیا۔ چھ ہزار کوفی جو حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے ان کو مختار نے طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ ہلاک کر دیا۔

(سوانح کربلا صفحہ نمبر۱۲۲)

☆ **نیزہ پر سرِ اقدس کی تِلاوت:** حضرتِ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''جب یزیدیوں نے حضرت امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ انور کو نیزے پر چڑھا کر کُوفہ کی گلیوں میں گشت کیا، اُس وقت میں اپنے مکان کے بالا خانہ پر تھا۔ جب سرِ مبارک میرے سامنے سے گزرا تو میں نے سنا کہ سرِ پاک نے (پارہ ۱۵/سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۹) تلاوت فرمائی:

اَم حَسِبتَ اَنَّ اَصحٰبَ الکَھفِ وَ الرَّقِیمِ کَانُوا مِن اٰیٰتِنَا عَجَباً۔

ترجمہ: کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ (غار) اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے۔''

(شواھد النبوۃ)

اِسی طرح ایک دوسرے بُزُرگ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب یزیدیوں نے سرِ مبارک کو نیزہ سے اُتار کر ابنِ زیادِ بدنہاد کے محل میں داخل کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس ہونٹ ہل رہے تھے اور زبانِ اقدس پر پارہ ۱۳/سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۴۲/ کی تلاوت

جاری تھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔

ترجمہ: اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے۔

منہال بن عمرو کہتے ہیں: واللہ میں نے بچشمِ خود دیکھا کہ جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ انور کو لوگ نیزے پر لیے جاتے تھے اُس وقت میں دِمشق میں تھا۔ سرِ مبارک کے سامنے ایک شخص سورۃُ الکہف پڑھ رہا تھا جب وہ آیت نمبر ۹ر پر پہنچا:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَباً۔

ترجمہ: پہاڑ کی کھوہ (غار) اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے۔

اُس وقت اللہ تعالیٰ نے قوتِ گویائی بخشی تو سرِ انور نے بزبانِ فصیح فرمایا:

اعجبُ من اصحابِ الکھفِ قتلی و حملی۔

ترجمہ: ''اصحابِ کہف کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے''۔

(شرح الصدور صفحہ ۲۱۲)

صدر الافاضل حضرتِ علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''سوانح کربلا'' میں یہ حکایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

درحقیقت بات یہی ہے کہ کیونکہ اصحابِ کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا اور حضرتِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو ان کے نانا جان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت نے مہمان بنا کر بلایا، پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا۔ آل و اصحاب علیہم الرضوان کو حضرتِ امامِ پاک رضی اللہ عنہ کے سامنے شہید کیا۔ پھر خود حضرتِ امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا، اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو اسیر بنایا، سرِ مبارک کو شہر شہر پھرایا۔ اصحابِ کہف سالہا سال کی طویل نیند کے بعد بولے، یہ ضرور عجیب ہے مگر سرِ انور کا تنِ مبارک سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا عجیب تر ہے۔

(سوانحِ کربلا صفحہ ۱۱۸)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نوک نیزہ سے قرآن پاک کی تلاوت کر کے شاید یزیدیوں کو یہ بتانے کی کوشش کی ہوگی کہ تم ہمارا سر ہمارے بدن سے جدا تو کر سکتے ہو پر قرآن سے جو ہمارا رشتہ ہے وہ جدا نہیں کر سکتے اور قرآن کے اصل وارث ہم ہی ہیں۔ دوسری وجہ جو علماء ارشاد فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسیاں بے پردہ تھیں تو لوگوں کی توجہ ان پر سے ہٹانے کے لیے آپ کے کٹے ہوئے سر نے تلاوت شروع کر دی جس سے لوگ آپ کے سر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆ **خون سے لکھا ہوا شعر:** یزید پلید کے ناپاک لشکری شہدائے کربلا علیہم الرضوان کے پاکیزہ سروں کے لے کر جا رہے تھے۔ دریں اثنا ایک منزل پر ٹھہرے۔ حضرت سیدنا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وہ نبیذ یعنی کھجور کا شیرہ پینے لگے۔ ایک اور روایت میں ہے، و ھم یشربون الخمر یعنی وہ شراب پینے لگے۔ اتنے میں ایک لوہے کا قلم نمودار ہوا اور اس نے خون سے یہ شعر لکھا:

اترجو امة قتلت حسینا☆ شفاعة جده یوم الحساب

ترجمہ: کیا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل یہ بھی امید رکھتے ہیں کہ روز قیامت ان کے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت پائیں گے؟

بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بِعثتِ شریفہ ستیتین سو برس پیش تر یہ شعر ایک پتھر پر لکھا ہوا ملا۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ نمبر ۱۹۴)

☆سرِ انور کی کرامت سے راہب کا قبول اسلام: ایک راہب نصرانی نے دَیر (یعنی گرجا گھر) سے سرِ انور دیکھا تو پوچھا، بتایا، کہا: ''تم بُرے لوگ ہو، کیا دس ہزار اشرفیاں لے کر اس پر راضی ہو سکتے ہو کہ ایک رات یہ سر میرے پاس رہے؟''۔ ان لالچیوں نے قبول کر لیا۔ راہب نے سرِ مبارک دھویا، خوشبو لگائی، رات بھر اپنی ران پر رکھے دیکھتا رہا ایک نور بلند ہوتا پایا، راہب نے وہ رات رو کر کاٹی، صبح اسلام لایا اور گرجا گھر، اس کا مال ومتاع چھوڑ کر اپنی زندگی اہلِ بیت کی خدمت میں گزار دی۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ نمبر ۱۹۹)

☆درہم و دینار ٹھیکریاں بن گئے: یزیدیوں نے لشکرِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور ان کے خیموں سے جو درہم و دینار لوٹے تھے اور جو راہب سے لیے تھے اُن کو تقسیم کرنے کیلئے جب تھیلیوں کے منہ کھولے تو کیا دیکھا کہ وہ سب درہم و دینار ٹھیکریاں بنے ہوئے تھے اور اُن کے ایک طرف پارہ ۱۳/سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۴۲ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ۔

ترجمہ: اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے۔

اور دوسری طرف پارہ ۱۹/سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۲۲۷ تحریر تھی:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

ترجمہ: اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ نمبر ۱۹۹)

☆سرِ انور کہاں مدفون ہوا؟: امامِ عالی مقام حضرتِ سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ انور کے مدفن کے بارے میں اختلاف ہے۔

☆علامہ قرطبی اور حضرتِ سیدنا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یزید نے اسیرانِ کربلا اور سرِ انور کو مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا و تعظیما روانہ کر دیا اور مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا و تعظیما میں سرِ انور کو تجہیز و تکفین کے بعد جنت البقیع شریف میں حضرتِ سیدتنا فاطمہ زہرا یا حضرتِ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہما کے پہلو میں دَفن کر دیا گیا۔''

☆بعض کہتے ہیں کہ:

''اسیرانِ کربلا نے چالیس روز کے بعد کربلا میں آ کر سرِ انور کو جسدِ مبارک سے ملا کر دفن کیا۔''

☆بعض کا کہنا ہے:

''یزید نے حکم دیا تھا کہ امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ انور کو شہروں میں پھراؤ۔ پھرانے والے جب عسقلان پہنچے تو وہاں کے امیر نے اُن سے لے کر دفن کر دیا۔ جب عسقلان پر فرنگیوں کا غلبہ ہوا تو

''طلائع بن رزّیک'' جس کو صالح کہتے ہیں، نے تیس ہزار دینار دے کر فرنگیوں سے سرِ انور لینے کی اجازت حاصل کی اور مع فوج و خُدام ننگے پاؤں وہاں سے ۸ جمادی الآخرہ ۵۴۸ھ بروز اتوار مصر میں لایا۔ اُس وقت بھی سرِ انور کا خون تازہ تھا اور اُس سے مُشک کی سی خوشبو آتی تھی۔ پھر اس نے سبز حَریر (ریشم) کی تھیلی میں آبنوسی کُرسی پر رکھ کر اس کے ہم وزن مُشک وعنبر اور خوشبو اس کے نیچے اور اردگرد رکھوا کر اس پر مشہدِ حُسینی بنوایا چنانچہ قریبِ خان خلیلی کے مشہدِ حُسینی مشہور ہے۔''

(شامِ کربلا صفحہ ۲۴۶)

تُربتِ سرِ انور کی زیارت: حضرتِ سیدنا شیخ عبدُ الفتّاح بن ابی بکر بن احمد شافعی خلوتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ''نور العین'' میں نقل فرماتے ہیں:

''شیخ الاسلام شمس الدین لقانی قدس سرہ جو کہ اپنے وقت کے شیخ الشیوخِ مالکیہ تھے ہمیشہ مشہد مبارک میں سر انور کی زیارت کو حاضر ہوتے اور فرماتے کہ حضرت امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سرِ انور اِسی مقام پر ہے۔''

حضرت سیدنا شیخ شہابُ الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے مشہدِ حسینی کی زیارت کی مگر مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ سرِ مبارک اِس مقام پر ہے یا نہیں؟ اچانک مجھ کو نیند آ گئی، میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص بہ صورتِ نقیب سرِ مبارَک کے پاس سے نکلا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرۂ مبارَکہ میں حاضر ہوا اور عرض کی، ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احمد بن حلبی اور عبدالوہاب نے آپ کے شہزادے امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارَک کے مدفن کی زیارت کی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللھم تقبل منھما و اغفر لھما۔ اے اللہ ان دونوں کی زیارت کو قبول فرما اور دونوں کو بخش دے۔ حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُس دن سے مجھے یقین ہو گیا کہ حضرتِ سیدنا امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا سرِ انور یہیں تشریف فرما ہے پھر میں نے مرنے تک سرِ مُکرَّم کی زیارت نہیں چھوڑی۔''

(شامِ کربلا ص ۲۴۷)

☆**سرِ انور سے سلام کا جواب:** حضرتِ سیدنا شیخ خلیل ابی الحسن تمارسی رحمۃ اللہ علیہ سرِ انور کی زیارت کے لیے جب مشہد مبارَک کے پاس حاضر ہوتے تو عرض کرتے: السلام علیکم یا ابنَ رسول اللہ اور فوراً جواب سنتے: و علیك السلام یا ابا الحسن۔ ایک دن سلام کا جواب نہ پایا، حیران ہوئے اور زیارت کر کے واپس آ گئے۔ دوسرے روز پھر حاضر ہو کر سلام کیا تو جواب پایا۔ عرض کی، یا سیدی! کل جواب سے مشرف نہ ہوا کیا وجہ تھی؟ فرمایا: اے ابوالحسن! کل اِس وقت میں اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھا اور باتوں میں مشغول تھا۔''

(شامِ کربلا صفحہ ۲۴۷)

حضرت سیدنا امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

''اہلِ کشف صوفیا اِسی کے قائل ہیں کہ حضرتِ سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ انور اِسی مقام پر ہے۔ شیخ کریم الدین خلوتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

اجازت سے اس مقام کی زیارت کی ہے۔''

(شامِ کربلا صفحہ ۲۴۸)

☆**سرِ انور کی عجیب برکت:** منقول ہے کہ مصر کے سلطان ملک ناصر کو ایک شخص کے متعلق اطلاع دی گئی کہ یہ شخص جانتا ہے کہ اس محل میں خزانہ کہاں دفن ہے مگر بتاتا نہیں۔ سلطان نے اُگلوانے کے لیے اس کی تعذیب کی یعنی اذیت دینے کا حکم دیا۔ متولیِ تعذیب نے اس کو پکڑا اور اس کے سر پر خنافس (گبریلے) لگائے اور اس پر قرمز (یعنی ایک قسم کے کیڑے) ڈال کر کپڑا باندھ دیا۔ یہ وہ خوفناک اذیت وعقوبت ہے کہ اس کو ایک منٹ بھی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کا دماغ پھٹنے لگتا ہے اور وہ فوراً راز اُگل دیتا ہے۔ اگر نہ بتائے تو کچھ ہی دیر کے بعد تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔ یہ سزا اُس شخص کو کئی مرتبہ دی گئی مگر اس کو کچھ بھی اثر نہ ہوا بلکہ ہر مرتبہ خنافس مر جاتے تھے۔ لوگوں نے اِس کا سبب پوچھا تو اس شخص نے بتایا کہ جب حضرتِ امام عالی مقام سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یہاں مصر میں تشریف لایا تھا، الحمدللہ! میں نے اس کو عقیدت سے اپنے سر پر اُٹھایا تھا۔ یہ اُسی کی برکت اور کرامت ہے۔

(شامِ کربلا صفحہ نمبر ۲۴۸)

☆**سرِ مبارک کی چمک:** ایک رِوایت یہ بھی ہے کہ سرِ انور یزید پلید کے خزانہ ہی میں رہا۔ جب بنواُمیہ کے بادشاہ سلیمان بن عبدالملک کا دورِ حکومت (۹۶ تا ۹۹ھ) آیا اور ان کو معلوم ہوا تو انہوں نے سرِ انور کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت سرِ انور کی مبارک ہڈیاں سفید چاندی کی طرح چمک رہی تھیں، انہوں نے خوشبو لگائی اور کفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کروادیا۔

(تھذیب التھذیب جلد۲ صفحہ ۳۲۵ دارالفکر بیروت)

☆**رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز:**

حضرتِ علامہ ابنِ حَجَر ھَیتمی مَکّی رحمۃ اللہ علیہ رِوایت فرماتے ہیں کہ: سُلیمان بن عبدُ الملِک جنابِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ مُلاطَفَت (یعنی لُطف وکرم) فرما رہے ہیں۔ صبح انہوں نے حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اِس خواب کی تعبیر پوچھی، اُنہوں نے فرمایا: شاید تُو نے آلِ رسول کے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے۔ عرض کی، جی ہاں! میں نے حضرتِ سیدنا امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے مبارک سر کو خزانۂ یزید میں پایا تو اُس کو پانچ کپڑوں کا کفن دے کر اپنے رُفقا کے ساتھ اس پر نماز پڑھ کر اس کو دفن کیا ہے۔ حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کا یہی عمل رِضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سبب ہوا ہے۔

(الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۹۹)

امام حسین رضی اللہ عنہ سے کرامات کا ظاہر ہونا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی کرامات آپ کی شان و عظمت پر گواہ ہیں نیز دشمنانِ اہلِ بیت کو یہ بتانا تھا کہ دیکھ لو کہ جو ایسا مستجاب الدعوات ہو اس کے مقابلے میں آنا اللہ پاک سے جنگ کرنا ہے۔ لہٰذا اس معاملے میں اللہ عزوجل سے ڈرو مگر اُن بے باک لوگوں نے دنیاوی منصب پانے کے لیے حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہما کو شہید کر ڈالا جس کی سزا انہیں دنیا میں بھی وہ ملی کہ جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

امام احمد رضا کے تجدیدی واصلاحی کارنامے

از۔حافظ افتخار احمد قادری، کریم گنج، پورن پور

امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ہمہ آیات آج دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بلاشبہ آپ چودھویں صدی ہجری کے یگانہ روزگار اور علم وفضل کے پیکر ہیں جس نے ملت اسلامیہ کے دور انحطاط وانتشار میں تقریباً علوم وفنون پر مشتمل ہزار سے زائد رشد وہدایت کے لعل وگہر اور سیف وسنان کے ساتھ رزم گاہ حق وباطل میں مشرکین وکفار، مرتدین اشرار، گمراہان فجار سے برسرِ پیکار رہ کر اور اپنے جہاد بالقلم کے ذریعے باطل قوتوں کی دھجیاں بکھیر کر ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کا فریضہ انجام دیا۔

آپ کے تجدیدی اور اصلاحی عمل کا مرکزی نقطہ نظر اور بنیادی نصب العین عظمت توحید اور تحفظ ناموسِ رسالت تھا۔ بلاشبہ آپ ایک جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحبِ نظر مفکر، بلند پایہ مترجم، عظیم الشان محدث، سحر البیان خطیب، ماہر فن ادیب اور روشن ضمیر خطیب تھے۔ ان تمام تر درجاتِ رفیعہ سے بالاتر ایک اور منصب عظیمہ پر فائز تھے وہ منصب تھا عاشق رسول صادق کا۔ قسام ازل سے آپ کو سرچشمۂ فیوض وبرکات اور عشقِ رسول سے اس قدر سرشار کر دیا تھا کہ آپ کے رگ وپے سے عشق ومحبت کی خوشبو آتی تھی۔ عشقِ رسول کی سرمست مئے الفت کا خمار آپ کی نعتوں کے ہر ہر شعر میں جلوہ گر اور موجزن ہے۔ آپ نے اپنے زمانے میں دینی علوم کی ترویج کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں رائج امور بدعات وخرافات کا بھی بھرپور استحصال اور رد کیا اور انہیں بدعات وخرافات سے دور رہنے کا حکم دیا۔

☆ آج مغربی تہذیب وتمدن کی ظاہری چمک دمک کے طوفان میں مسلمان عورتیں بھی بہہ نکلی ہیں۔ بے پردہ وبے حجابانہ شارع عام پر گھومنا، نامحرموں کے ساتھ اخلاط وتخلیط میں رہنا، نامحرم پیروں کے سامنے محرموں کی طرح سامنے آنا جانا، خدمات کرنا، ان تمام تر بدعات کی امام احمد رضا خان قادری نے سختی سے مخالفت کی اور عورتوں کے گھر سے نکلنے کے متعلق رسالہ تصنیف فرمایا۔

☆ میت کے گھر مردوں عورتوں کو جمع ہوکر کھانا پینا اور میت کے گھر والوں کو زیر بار کرنے کے عدم جواز پر فتویٰ دیتے ہوئے ''جلی الصوت لنهی الدعوة امام الموت'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔

☆ دور جدید میں تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ کہلانے والے مسلم گھرانوں میں جاندار کی تصویریں اور مجسمے لگانا تقریباً ضروریات سے تصور کیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا خان قادری نے اس کی شرعی گرفت فرمائی کہ جاندار کی تصویر حرام ہے۔ چناچہ تصویر کے عدمِ جواز پر آپ نے ''عطایا القدیر فی حکم التصویر'' نامی رسالہ تحریر فرمایا۔

امام احمد رضا خان قادری نے معاشرے کی خلاف شرع عادات واطوار اور رسم ورواج پر بھی گہری تنقید کی۔

☆ آپ مزارات اولیاء پر حصولِ خیر وبرکت کے لئے جانا جائز قرار

دیتے ہیں جبکہ عورتوں کے مزارات پر جانے کے تعلق سے فرماتے ہیں کہ یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا کیسا ہے؟ بلکہ یہ پوچھو کہ جب وہ گھر سے نکلتی ہے اور جب تک واپس نہیں آتی اس وقت تک فرشتے اس پر کتنی لعنتیں کرتے ہیں۔

☆مسلمانوں میں فاتحہ، سوئم، چہلم، برسی وغیرہ کا عام رواج ہے۔ امام احمد رضا خان قادری نے اس کو جائز و مستحسن قرار دیا۔ ساتھ ہی تعین یوم کو بھی سہولت و آسانی کی غرض سے جائز فرمایا لیکن غیر ضروری لوازمات اور متعین دنوں میں ہی زیادہ ثواب ملنے کے عقیدے کو ناجائز فرمایا اور ''الجو الفائحہ لطیب التعین والفاتحہ'' کے نام سے ایک جامع رسالہ تصنیف فرمایا۔

☆امام احمد رضا خان قادری مسلمانوں کی فاتحہ، سوئم، چہلم، برسی کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس میں غیر ضروری لوازمات کو بے اصل قرار دیتے ہیں۔ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے غرباء کو فوقیت دیتے ہیں اور اس کے سخت خلاف ہیں کہ برادری کے لوگوں کو بلا کر اُنہیں کھانا کھلانے کا اہتمام کیا جائے۔ وہ قبروں پر لوبان، اگربتی وغیرہ جلانے کو مال کا اسراف قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قبروں پر پھول ڈالنا اور ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے مگر ایک سے زائد کپڑے کی چادریں قبر پر ڈالنے سے منع کرتے ہیں اور چادر کے بدلے صاحب مزار کے نام کی خیرات کرنا اور فقراء کو کھانا کھلانا افضل قرار دیتے ہیں۔

☆شادیوں، شب برأت اور دوسری خوشی کے موقع پر آتش بازی کا رواج مسلمانوں میں بھی عام ہوگیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا خان قادری نے اس کو قطعاً حرام قرار دیا اور ایسی شادیوں میں شرکت کی ممانعت فرمائی جہاں محرمات شرعیہ کا خطرہ ہو۔ امام احمد رضا خان قادری نے ایسے مواقع پر لوگوں کی ہدایت کے لئے ایک خاص رسالہ جس کا تاریخی نام ''ھادی الناس فی رسوم الاعراس'' تحریر فرمایا۔

☆امام احمد رضا خان قادری نے ہر مرحلہ میں ملت اسلامیہ کی کامل رہنمائی فرمائی۔ آپ نے کما حقہ تجدید و اصلاح کا حق ادا کیا اور مستقبل میں آپ کی بے مثل و بے نظیر تصنیفات ملت اسلامیہ کی رہنمائی کرتی رہیں گی۔

☆امام احمد رضا خان قادری کے کارناموں میں آپ کے فروغ اہل سنت کے لئے دس نکاتی فارمولہ بھی شامل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: عظیم الشان مدارس کھولے جائیں اور باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔ تاکہ قوم مسلم کا زیادہ سے زیادہ رجحان مدارس کی طرف ہو اور وہ اپنے عقائد کی حفاظت کرسکیں۔

لیکن اگر جائزہ لیں تو ہمارے مسلمان بھائی اپنے بچوں کو مدارس کے بجائے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھیجنا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں وہاں تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ عمدہ نظم وضبط اور ان کے مستقبل پر بھی غور کیا جاتا ہے۔ رہ گئے ہمارے مدارس تو گنتی کے ہی ہوں گے جہاں بہترین نظم وضبط کے ساتھ ساتھ تعلیم کے اعلیٰ زیور تعلیم سے طلبہ کو آراستہ کیا جاتا ہوگا اور ان کے مستقبل کا کوئی انتظام کیا جاتا ہوگا۔

ہم غور کریں کہ کیا ہم نے عظیم الشان مدارس کھولے یا کھلوائے؟ کیا ہم نے عظیم الشان مدارس میں کسی قسم کا تعاون کیا؟ کیا ہم نے اپنے مدارس میں باقاعدہ تعلیم کا انتظام کیا؟ کیا ہمارے مدارس کی تعلیم و تربیت کا نظم وضبط درست ہے؟

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں:

مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

اب ہم ذرا خود سے پوچھ لیں کہ کیا ہمارے مذہبی اخبار شائع ہو رہے ہیں؟ کیا ہم نے مذہبی مضامین شائع کرنے اور اُنہیں قیمتاً یا بلا قیمت تقسیم کرنے میں کوئی کوشش کی؟ یا ایسا کرنے کی صلاحیت رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی، اُنہیں مالی مدد فراہم کی؟

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر زمانے میں لادینی قوتوں نے اسلام اور اسلامی شخصیات کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہی کچھ امام احمد رضا خان قادری کے ساتھ بھی ہوا کہ کچھ لوگوں نے جان بوجھ کر یا نادانی میں امور بدعات وخرافات کو امام احمد رضا خان قادری کی جانب منسوب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اگر آپ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے کسی نئے دین کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ پوری زندگی قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کی کوششیں کی۔ آج مزاراتِ اولیاء پر خرافات کی محفلیں سجائی جاتی ہیں، بعض لوگ ان خرافات کو امام احمد رضا خان قادری کے کھاتے میں ڈالتے ہیں جو کہ بہت سخت قسم کی خیانت ہے۔

☆اسی طرح آج کل کچھ لوگ عقیدت میں آکر مزارات کو سجدہ کرتے ہیں اور اسلام کے اصول سے بے خبر ہیں کہ ہماری شریعت نے غیر اللہ کے لئے سجدہ عبادت کو کفر وشرک اور سجدہ تعظیمی کو حرام قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام احمد رضا خان قادری نے ''الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ'' کے نام سے ایک مبسوط رسالہ لکھا جس میں متعدد قرآنی آیات، چالیس احادیث مقدسہ اور تقریباً ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ سے یہ ثابت کیا کہ عبادت کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک وکفر ہے اور تعظیم کی نیت سے حرام۔ اس کی دلیل میں آپ یہ حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مخلوق کو جائز نہیں کہ وہ کسی کو سجدہ کرے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے۔''

(مدارک التنزیل)

سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر امام احمد رضا خان قادری فرماتے ہیں:

''غیر خدا کو سجدہ عبادت شرک ہے، سجدہ تعظیمی شرک نہیں مگر حرام اور گناہ کبیرہ ہے، متواتر حدیثیں اور متواتر نصوص فقہیہ سے اس کی حرمت ثابت ہے، ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تحریم پر چالیس حدیثیں روایت کیں اور نصوص فقہیہ کی گنتی نہیں، ''فتاوی عزیزیہ'' میں ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع امت ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ۲۲/۵۶۵)

کچھ لوگ کم علمی اور نادانی کی وجہ سے بڑے بڑے علماء کے آگے زمین کو بوسہ دیتے ہیں اس سلسلے میں امام احمد رضا خان قادری نے فرمایا: یہ فعل حرام ہے لہٰذا! یہ فعل کرنے والا اور اس سے خوش ہونے والا (دونوں) گنہگار ہیں، اس لئے کہ یہ کام بت کی عبادت سے مشابہت رکھتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ کام بطورِ عبادت کیا اور اس کی تعظیم کی تو بلا شبہ کافر ہو گیا اور اگر تعظیم وبزرگی کی خاطر ایسا کیا تو کافر نہ ہوا لیکن

پھر بھی گنہگار رہوا۔ گناہ کبیرہ بجالانے والا ہوا۔

(فتاویٰ رضویہ ۲۲/۲۱۴)

☆ آج کل اولیاء اللہ اور بزرگوں کے مزارات پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ عقیدت میں مزار کو بوسہ دیتے ہیں اور بعض لوگ جہالت کی انتہا کر دیتے ہیں کہ مزار کا طواف شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اپنی اندھی عقیدت میں سب کچھ کر گزرتے ہیں جس کی شریعت نے قطعی اجازت نہیں دی۔

آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطّواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ دینا نہ چاہیے، علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ ۹/۵۲۸)

ایک اور مقام پر آپ فرماتے ہیں:

بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔ خصوصاً مزارات طیبہ اولیائے کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے پھر تقبیل (چومنا اور بوسہ دینا) کیونکر متصور ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ۲۲/۳۸۲)

اسی طرح روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق امام احمد رضا خان قادری فرماتے ہیں:

روضہ انور کا طواف نہ کرو، نہ سجدہ کرو، نہ اتنا جھکو کہ رکوع کے برابر ہو۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ۱۰/۷۶۹)

امام احمد رضا خان قادری سے مزارات پر چادر چڑھانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو جواب دیا:

''جب چادر موجود ہو اور ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی کہ بدلنے کی حاجت ہو تو بے کار چادر چڑھانا فضول ہے بلکہ جو دام اس میں صرف کریں اللہ تعالیٰ کے ولی کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لئے محتاج کو دیں۔''

(احکام شریعت حصہ اول ص ۷۲)

☆ اسی طرح بعض لوگ مزارات پر جا کر بزرگوں کی قبروں کے سامنے نماز شروع کر دیتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ قبروں کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے۔ ان کے اس قبیح فعل کو بعض حضرات امام احمد رضا خان قادری کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ یہ آپ کی تعلیمات کا حصہ ہیں اور آپ نے اپنی تحریروں میں اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن اگر امام احمد رضا خان قادری کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات چڑھتے سورج سے بھی زیادہ روشن ہوتی ہے کہ آپ نے اپنے فتاویٰ یا ملفوظات میں کہیں بھی اس امر کے جواز کا قول تحریر نہیں کیا۔ اس امر کے حرام ہونے کے سلسلے میں آپ احادیث سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو نہ ان پر بیٹھو۔

(مسلم و ترمذی بحوالہ فتاویٰ رضویہ ۲۲/۴۵۱-۴۵۲)

☆ بزرگوں سے اظہار عقیدت کا ایک طریقہ بعض لوگوں نے یہ بھی ایجاد کیا کہ ان کے فرضی مزارات بنانا شروع کر کے ان کی تعظیم شروع کر دی۔ امام احمد رضا خان قادری نے اپنے زمانے میں اس پر خوب

تنقید وتنکیر فرمائی۔آپ سے سوال ہوا کہ کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اوراس پر چادر وغیرہ چڑھانا اوراس پر فاتحہ پڑھنا اوراصل مزار کا سا ادب ولحاظ کرنا جائز ہے یانہیں؟اوراگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کوفرضی مزار بنانے کی خواب میں اجازت دے تو وہ قول مقبول ہوگا یانہیں؟اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:فرضی مزار بنانا اوراس کے ساتھ اصل سا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے اورخواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔

(فتاویٰ رضویہ ۹/۴۲۵)

☆اسی طرح قبروں پر چراغ اوراگربتی جلانا ایک معمول بن گیا اور لوگوں میں یہ رواج بہت عام ہوگیا ہے۔کچھ لوگوں نے اس امر کو مردے کے لئے باعثِ تسکین سمجھا۔امام احمد رضا خان قادری فرماتے ہیں:قبروں کی طرف شمع لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔عود،لوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ یہ مال کا ضیاع ہے۔امام احمد رضا خان قادری اس امر کی دلیل میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی۔

(ترمذی)

اس حدیث کی تشریح میں آپ فرماتے ہیں:یہ لعنت ان لوگوں پر ہے جو بغیر کسی فائدہ کے قبروں پر چراغ جلاتے ہیں ورنہ اگر کوئی قبر کے پاس چراغ اس لئے روشن کرے کہ وہاں آنے جانے والوں کے لئے روشنی ہو یا کوئی وہاں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہے تو ایسی صورت میں منع نہیں ہے۔لیکن احتیاط اس میں بھی یہ ہے کہ چراغ یا شمع کو قبر کے اوپر نہ رکھا جائے بلکہ قبر سے تھوڑا دور رکھا جائے۔

(فتاویٰ رضویہ ۹/۴۹۱)

☆اسی طرح دور حاضر میں کم علمی اور جہالت کی بناء پر خواتین اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کے مزارات پر جاتی ہیں۔بعض حضرات نے اس کو بھی امام احمد رضا خان قادری سے منسوب کردیا کہ انہوں نے عورتوں کو مزارات پر جانے کی اجازت دی ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب آپ سے خواتین کے مزارات پر جانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور سخت تنکیر فرمائی۔اس سلسلے میں آپ اپنے ملفوظات میں صاحب غنیۃ کا قول نقل کرتے ہیں:یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یانہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے۔جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک وہ واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے ہیں۔

(غنیۃ المتملی بحوالہ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت ص ۳۱۵)

اسی طرح اندھی عقیدت کی بناء پر اکثر بے پردہ خواتین کا پیروں، فقیروں اور بزرگوں کے پاس رش لگا رہتا ہے۔وہ اپنے معمولی سے معمولی مسائل ان سے حل کروانے کے لئے چلی جاتی ہیں۔امام احمد رضا خان قادری نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے فرمایا اگر کوئی عالمِ شریعت اور واقفِ طریقت بھی ہو پھر بھی اس کے پاس خواتین کا بے پردہ ہوکر جانا جائز نہیں۔اس سلسلے میں آپ نے مزید وضاحت فرمائی کہ پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ۲۲/۲۰۵)

آگے فرماتے ہیں:

جن اعضاء کا چھپانا فرض ہے ان میں سے کچھ کھلا ہو جیسے سر کے بالوں کا کچھ حصہ یا گلے یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی جز تو اس طور پر تو عورت کو غیر محرم کے سامنے جانا مطلقاً حرام ہے خواہ وہ پیر ہو یا عالم۔

(فتاویٰ رضویہ ۲۲/۲۳۹۔۲۴۰)

تعلیماتِ امام احمد رضا خان قادری کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ خواتین کا بے پردہ ہو کر پیروں، فقیروں، ملنگوں یہاں تک کہ رہبر شریعت وطریقت کے پاس جانا بھی جائز نہیں۔

☆ بعض لوگ وظائف میں قرآنی آیات اور سورتوں کو معکوس (یعنی الٹا) پڑھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس امر کے حرام ہونے کے متعلق فرمایا:

یہ حرام ہے اور اشد حرام، کبیرہ اور سخت کبیرہ قریب کفر ہے۔ یہ تو درکنار سورتوں کی صرف ترتیب بدل کر پڑھنا اس کی نسبت تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کیا ایسا کرنے والا ڈرتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو الٹ دے۔

(ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۳۵۴)

بعض مذہبی طبقوں کی جانب سے یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جو بدعات وخرافات رائج ہیں وہ امام احمد رضا خان قادری کی تعلیمات ہیں۔ درحقیقت یہ سراسر بددیانتی اور جھوٹ ہے۔ تعصب کی عینک اتار کر حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ امام احمد رضا خان قادری اس طرح کی خرافات اور بدعات کا بھرپور رد بلیغ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی کوششیں اسلام میں نت نئی بدعات ایجاد کرنے کے بجائے ان کو ختم کرنے کے لئے ہوتی تھیں۔ لیکن آج آپ کے اور آپ کے عقیدت مندوں کے متعلق بدگمانی کی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی۔ ان بدگمانیوں کی وجہ سے آج امت مسلمہ فرقوں در فرقوں میں بٹتی جارہی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بے بنیاد الزام تراشی سے پہلے ان کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے اور بدگمانیوں کو دور کیا جائے۔ وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امت مسلمہ میں افتراق وانتشار کے بجائے اتفاق واتحاد پیدا کیا جائے۔

اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی تمام تصنیفات مبارکہ، سارے رسائل اور سبھی فتاویٰ پڑھ جایئے کہیں بھی کسی کو ایسا قول، جملہ یا کلمہ نہ ملے گا جو سواد اعظم اہل سنت وجماعت اور اسلاف کرام کی فکر اور ان کے منہج کے خلاف ہو۔

اعلیٰ حضرت نے تو ما انا علیہ واصحابی کی راہوں کو اس طرح روشن ومنور کیا کہ اب ان کی تصنیفات، ان کے فتاویٰ، ان کے رسائل، ان کی کتابیں، ان کے اقوال اور ان کا طرز مذہبی معیار حق اور معیار سنیت بن گیا۔ قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اقوال اسلاف میں مذکور عقائد حقہ اور معمولات حقہ کی اعلیٰ حضرت نے جو تشریح فرمائی اور جس طرح انہیں مدلل ومبرہن فرمایا انہیں بارگاہ خداوندی اور بارگاہ رسالت سے ایسا تمغۂ مقبولیت حاصل ہوا کہ آج ان کی ان دینی ومسلکی تشریحات پر عمل کرنے کو ہمارے بزرگوں نے ایک مضبوط ومحفوظ راستہ قرار دیا ہے۔ نیز ہمارے اکابر نے گمراہ فرقوں سے امتیاز کے لیے اسے مسلک اعلیٰ حضرت کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ آج گمراہ فرقوں کی گڈمڈ بھیڑ میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نعرہ ایک متصلب سنی کو نشان امتیاز عطا کرتا ہے۔

”الولایۃ افضل من النبوۃ“ کا درست مفہوم

از۔مولانا شاداب امجدی، گھوسی

”الولایۃ افضل من النبوۃ“ یہ قول بعض صوفیا کا ہے، جس کی آڑ میں آج کل کچھ لوگ ”تفضیل الشیخین“ جیسے اہل سنت و جماعت کے متفقہ اور اجماعی موقف کو مشکوک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

”خلافت باطنی دراصل ولایت پیمبر کا عکس ہے، جب کہ خلافت ظاہری نبوت پیمبر کا عکس ہے اور نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، کیوں کہ نبی کی ولایت متعلق بالحق ہے، جب کہ اس کی نبوت متعلق بالخلق ہے۔“

اس سے یہ تفضیلی گروہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ خلافت ظاہری میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے نمبر پر ہیں اور خلافت باطنی میں مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم پہلے نمبر پر ہیں اور نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل قرار پائی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ افضل خلافت مولا علی کو ملی ہے، لہٰذا وہ حضرت ابو بکر صدیق سے افضل ہوئے۔ جبکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلافت خواہ ظاہری ہو یا باطنی سب میں پہلا نمبر افضل البشر بعد الانبیاء حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ دلائل، علماء کی کتب میں بھرے پڑے ہیں۔ ان سے قطع نظر اوپر جو دلیل ذکر کی گئی ہے کہ ”نبی کی ولایت متعلق بالحق ہے جب کہ اس کی نبوت متعلق بالخلق ہے“ کا جائزہ لیتے ہیں اور اسلاف کرام کا نقش قدم ڈھونڈتے ہیں تاکہ نئی راہ نکالنے والوں کی چال اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف کے مکتوب نمبر 108 میں تحریر فرماتے ہیں:

”بعض مشائخ نے حالت سکر میں کہا کہ ”ولایت نبوت سے افضل ہے“ اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم دور ہو جائے“۔

اتنا لکھنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اپنی تحقیق انیق بیان فرماتے ہیں کہ:

”لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہوتی ہے۔ [مقام] ولایت میں [ولی] سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف توجہ نہیں کر سکتا [لیکن مقام] نبوت میں کمال درجہ شرح صدر ہونے کی وجہ سے، نہ تو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مخلوق کی طرف توجہ کا مانع ہوتا ہے اور نہ ہی مخلوق کی طرف متوجہ ہونا حق تعالیٰ کی طرف توجہ کا مانع ہے۔ نبوت میں صرف مخلوق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے ولایت کو [کہ جس کی توجہ صرف حق پر ہوتی ہے] نبوت پر ترجیح دیں۔ عیاذاً باللہ سبحانہ۔“

اس کے بعد فیصلہ کن بات لکھتے ہیں:

”صرف مخلوق کی طرف توجہ کا ہونا عوام کالانعام کا درجہ ہے، نبوت کی

شان اس سے بلند و برتر ہے، اس حقیقت کا سمجھنا ارباب سکر کے لیے دشوار ہے، لیکن اکابر مستقیم الأحوال اس معرفت سے ممتاز ہیں۔

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب 108)

شمس مارہرہ حضرت سیدنا آل احمد اچھے میاں رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تیار کی ہوئی کتاب ''آئین احمدی'' میں ''رموز الوالھین'' کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ:

الولایۃ افضل من النبوۃ ای بعد النبوۃ۔

یعنی ولایت نبوت کے بعد فضیلت رکھتی ہے اور اس جگہ ''من''، ''بعد'' کے معنی میں ہے اور اس پر دلیل ارشاد ربانی ہے: ''اطعمھم من جوع ای بعد جوع''۔

(دلیل الیقین، ص 238)

مختصر یہ کہ صوفیا کے مذکورہ قول میں ''من'' اپنے معنی حقیقی میں نہیں بلکہ ''بعد'' کے معنی میں ہے، اس لیے اس کا سہارا لے کر افضلیت کے اجماعی موقف کو مشکوک بنانا شیطانی عمل ہے۔

اور بر سبیل تنزل اگر معنی حقیقی میں ہو اور یہ معنی بتایا جائے کہ نبوت میں صرف مخلوق کی طرف توجہ ہوتی ہے تو یہ ارباب سکر کا موقف ہے نہ کہ مستقیم الاحوال کا، جیسا کہ امام ربانی رضی اللہ عنہ نے اس کی وضاحت فرمادی، لہٰذا اب کوئی مذکورہ قول کے ذریعے اجماعی مسئلے کو مختلف فیہ بنانے کی کوشش کرے تو اس کو احمق یا معاند کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

قاضی شہر بنارس مفتی غلام یٰسین رضوی کا انتقال پر ملال

مورخہ ۱۰/رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ/ ۲۱/مارچ ۲۰۲۴ء بروز جمعرات بعد افطار خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند، قاضی شہر بنارس حضرت علامہ قاضی غلام یٰسین رضوی بنارسی کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

موصوف ایک عالم دین ہونے کے ساتھ نہایت مالدار اور صاحب وجاہت شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا خاندان بنارس کے رئیسوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ بنارس کے علمائے اہل سنت میں آپ منفرد حیثیت کے حامل تھے۔ حضرت مولانا خلیق احمد گھوسوی جو ''جامعہ حنفیہ غوثیہ'' بنارس کے پرنسپل ہیں انہوں نے آپ کو قاضی بنانے کی جب تجویز پیش کی تو تمام علمائے بنارس نے اسے متفقہ طور پر منظور کرلیا۔ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، تاجدار اہل سنت مفتی اعظم حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات سے ان کا گھرانہ خوب سرشار رہا۔ سرکار مفتی اعظم ہند عموماً بنارس و اطراف بنارس کے دورے کے وقت آپ ہی کے گھر پر قیام فرماتے تھے۔ آپ کے خاندان میں حفاظ و قراء کی کثرت رہی ہے جو بنارس میں واقع بہت سی مسجدوں میں بلا معاوضہ امامت کے فرائض بھی انجام دیتے چلے آئے ہیں۔ مؤرخہ ۲۲/مارچ ۲۰۲۴ء کو آپ کے برادرزادے حضرت مولانا جمیل احمد رضوی صاحب کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ بجرڈیہہ سندر پور برانکیلو کالونی سے متصل قبرستان کے پاس قاضی صاحب کی اپنی زمین پر ادا کی گئی اور یہیں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ آمین

(رپورٹ محمد سلیم بریلوی)

سید ابراہیم ملک بیا غازی۔ حالات ومناقب

از۔ مولانا طارق انور مصباحی (کلکتہ)

حضور سیدنا غوث اعظم سید عبد القادر محی الدین حسنی حسینی جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان ایران کے قصبہ جیلان میں ۴۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جیلان ہی میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم و دیگر علوم دینیہ وفنون اسلامیہ حاصل کرنے کی غرض سے بغداد کا سفر اختیار فرمایا۔ آپ ''جامعہ نظامیہ بغداد'' میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بغداد ہی میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں اپنی زندگی کے شب و روز گزار کر سال ۵۶۱ھ میں عالم فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ بغداد میں آپ کا روضہ مبارکہ مرجع خلائق اور دنیائے اسلام کے لیے منبع فیوض و برکات ہے۔

علامہ عبد الحکیم شرف قادری (۱۹۴۴ء-۲۰۰۷ء) نے رقم کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرزندان گرامی میں سے بعض حضرات بغداد ہی میں رہے اور بعض شہزادگان بغداد سے ہجرت فرما کر دوسرے اسلامی شہروں میں جا بسے۔

(مقدمہ: غنیۃ الطالبین مترجم)

حضور غوث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی آل واولاد میں سے بعض حضرات بغداد سے ترک وطن کر کے افغانستان چلے گئے تھے۔ انہیں میں سے ایک بزرگ حضرت سید ابوبکر غزنوی تھے جو حضور سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے حضرت سیدنا ابو منصور صفی الدین عبد السلام بن سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی کے پر پوتے تھے۔ آپ کا وطن بت نگر تھا۔ بت نگر افغانستان کے قدیم دار السلطنت غزنی سے تین فرسنگ کی دوری پر پورب سمت آباد ہے۔

(تاریخ ملک ص 28- حیات ملک العلما ص 9 حیات اعلیٰ حضرت)

حضرت سید ابوبکر غزنوی کی وفات بت نگر میں ہوئی اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے: سید ابراہیم ملک بیا غازی اور سید ابو مبارک علی۔ سید ابراہیم اپنے خاندان کے ساتھ افغانستان سے ہجرت فرما کر ملک ہند چلے آئے۔

(تاریخ ملک ص 28 تحفہ بہار ص 18 ماہنامہ اشرفیہ شمارہ فروری ۱۹۷۷ء)

ملک ہند میں اس وقت تغلق خاندان کی بادشاہت تھی۔ عبد الحلیم خواجہ پوری اور سید قیام الدین نظامی نے رقم کیا کہ سید ابراہیم ملک بیا غازی سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کے عہد میں ملک ہند تشریف لائے۔

(تاریخ ملک ص ب- شرفا کی نگری ص 122)

حضرت سید ابراہیم ملک بیا غازی ملک ہند آ کر سلطنت تغلقیہ کی شاہی فوج میں شامل ہو گئے۔ آپ نے بہت سے معرکوں میں شرکت فرمائی اور میدان جنگ میں استقلال و جواں مردی، ہمت و جراءت اور خدا داد شجاعت و بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ سلطان محمد شاہ تغلق (۱۲۹۰ء-۱۳۵۱ء) نے آپ کے بے مثال کارناموں، فنون جنگ کی مہارت اور آپ کی شجاعت و بہادری کو

دیکھ کر شاہی لشکر کی سپہ سالاری کا عہدہ آپ کو عطا کیا۔ سپہ سالاری کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد آپ نے صوبہ بہار اور جھاڑکھنڈ کو فتح فرمایا۔ محمد شاہ تغلق نے آپ کو صوبہ بہار کی صوبہ داری عطا کی۔

سید ابراہیم کا بہار پر پہلا حملہ:

سلطنت تغلقیہ کے زمانے میں بہار پر ہندو راجاؤں اور مہاراجاؤں کی حکم رانی تھی۔ یہ راجے، مہاراجے دہلی کی اسلامی سلطنت سے برگشتہ ہوکر خودمختارانہ حکومت کیا کرتے تھے اور رعایا پر بہت ظلم وستم ڈھایا کرتے تھے۔ عبدالحلیم خواجہ پوری، مفتی عبدالمتین سہروردی بہاری، ڈاکٹر حسن رضا خان (پٹنہ)، پروفیسر مجیب الرحمٰن اور سید قیام الدین نظامی بہار پر ملک بیا غازی کے پہلے حملے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ بندرابن (متھرا) کے بہت سے مہوری سوداگر اپنے تجارتی مال واسباب کے ساتھ پٹنہ ہوتے ہوئے بہار پہنچے۔ بہار کے ہندو حکمراں راجہ بٹھل نے ان مہوری سوداگروں کا بہت سا تجارتی سامان خریداری کے بہانہ سے لے لیا اور اس کی قیمت آئندہ دینے کا وعدہ کیا۔ مہوری سوداگروں نے کئی بار بٹھل صوبہ دار سے اپنے مال واسباب کی قیمت کا مطالبہ کیا، مگر راجہ بٹھل نے ان مہوری سوداگروں کو کچھ نہ دیا اور آخر کار صاف لفظوں میں یہ کہہ کر اپنے دربار سے باہر نکلوادیا کہ جاؤ، کچھ نہیں ملے گا۔

جب مہوری سوداگروں کو کوئی تدبیر نظر نہ آئی تو ان لوگوں نے دہلی کے بادشاہ سلطان محمد شاہ تغلق کے دربار میں راجہ بٹھل کے ظلم و ستم کی شکایت کی اور انصاف طلب کیا۔ سلطان محمد شاہ تغلق نے اسی وقت اپنے سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو یہ مہم سر کرنے کے لیے لشکر شاہی کے ساتھ بہار جانے کا حکم دیا اور کہا کہ پہلے راجہ بٹھل سے مہوری سوداگروں کے سامان تجارت کی قیمت کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ نہ مانے تو اس کو مناسب سزا دو۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی شاہی لشکر کے ساتھ بہار آئے اور بادشاہ دہلی کے حکم کے مطابق پہلے راجہ سے مہوری سوداگروں کے مال واسباب کی قیمت دینے کا مطالبہ کیا۔ راجہ بٹھل نے مال واسباب کی قیمت دینے سے انکار کردیا۔

اب سپہ سالار ملک بیا غازی بادشاہ دہلی کا حکم بجالانے کے لیے تیار ہوگئے۔ بٹھل صوبہ دار پہلے ہی سے ہوشیار تھا۔ وہ بھی مقابلہ کے لیے تیار ہوگیا اور دونوں طرف سے گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ بٹھل صوبہ دار کی فوج مقابلہ نہ کرسکی اور شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ راجہ بٹھل معرکہ جنگ میں لڑتے ہوئے مارا گیا۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو فتح نصیب ہوئی۔ بہار پر اور راجہ بٹھل کے زیر حکومت علاقوں پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگئی۔

جنگ ختم ہونے کے بعد سپہ سالار سید ابراہیم نے مال غنیمت سے مہوری سوداگروں کے مال واسباب کی قیمت ادا کی۔ مہوری قوم اس سے بہت خوش ہوئی اور بہار میں آباد ہوگئی۔

(تاریخ ملک ص 37-38 تحفہ بہار ص 18-19 - پاسبان ملت ص 24 شرفا کی نگری ص 122 تاریخ بارہ گاواں ص 18-19)

سامان تجارت: عبدالحلیم خواجہ پوری، ڈاکٹر حسن رضا خاں (پٹنہ)، سید قیام الدین نظامی اور پروفیسر مجیب الرحمٰن نے لکھا کہ مہوری سوداگران ریشم کے کپڑے، جواہرات، سونے اور چاندی کے زیورات، اونی شال اور دوشالے، چوڑیاں، انگوٹھی اور گھوڑے وغیرہ

کی تجارت کیا کرتے تھے۔

(تاریخ ملک ص 37- پاسبان ملت ص 24 شرفا کی نگری ص 122 تاریخ بارہ گاواں ص 19)

سید ابراہیم اور فتح جھاڑکھنڈ: ہزاری باغ ریاست جھارکھنڈ کا ایک ضلع ہے۔ پرانے زمانے میں ہزاری باغ کا رقبہ بہت بڑا تھا اور بہت سے علاقے اس کے ماتحت تھے اور اسے جھارکھنڈ کہا جاتا تھا۔

(تاریخ صوبہ بہار ص 102 تاریخ جدید صوبہ بہار واڑیسہ ص 408)

اس علاقے میں قدیم زمانے سے ایک ہندو قوم رہتی تھی جسے سنتھال کہا جاتا تھا۔ آج بھی سنتھال قوم دمکا، مدھوپور اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہے اور ان اطراف کے بعض علاقوں کو سنتھال پرگنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانے میں جھارکھنڈ میں سنتھالی راجاؤں کی حکمرانی تھی۔ ایک سنتھالی حکمراں ''راجا جانگرا'' کا قلعہ چھائی چمپا (ضلع ہزاری باغ) میں تھا۔ ایک دوسرا سنتھالی سردار ''مان سنگھ'' چھائی چمپا سے چار میل دور مان گڑھ کے قلعہ میں رہتا تھا۔

سال ۱۳۴۰ء مطابق ۷۴۱ھ میں سپہ سالار سید ابراہیم علاقہ جھارکھنڈ پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے۔ جب راجا جانگرا کو معلوم ہوا کہ شاہی لشکر سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کی قیادت میں بڑھتا آرہا ہے تو وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ ایک کنوئیں میں کود گیا۔ اس طرح راجا جانگرا نے خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو اور اپنے اہل خاندان کو ہلاک کر دیا۔

(اتھنولوجی آف بنگال ص 211 تاریخ ملک ص 36)

یہ کنواں آج بھی چھائی چمپا میں موجود ہے۔ آج کل چھائی چمپا ''چے چوپارن'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ گاؤں ضلع ہزاری باغ میں ہے۔

راجہ جانگرا کے قلعہ پر قبضہ ہوجانے کے بعد سپہ سالار سید ابراہیم علیہ الرحمۃ والرضوان نے حضرت فتح خاں دولہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو چھائی چمپا کا حاکم مقرر کیا۔

(اتھنولوجی آف بنگال ص 211 تاریخ ملک ص 36)

جھارکھنڈ کا دوسرا سنتھالی سردار مان سنگھ، سپہ سالار سید ابراہیم اور ان کے لشکر کی آمد کی خبر سن کر مقابلہ کیے بغیر اپنے قلعہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس قلعہ پر بھی سید ابراہیم ملک بیا غازی نے قبضہ کرلیا۔

(اتھنولوجی آف بنگال ص 211- تاریخ ملک ص 36)

اس طرح بغیر کسی خون ریزی اور بغیر جنگ کے جھارکھنڈ پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کی شجاعت و بہادری اور ان کے فن حرب وضرب میں ان کی مہارت کا شہرہ دور دور تک تھا۔

مؤرخ بہار علی محمد شاد عظیم آبادی نے لکھا: ضلع ہزاری باغ کا قدیم نام جھارکھنڈ تھا۔ یہ قصبہ عین بندھیا چل کے گنجان پہاڑوں کے دامن میں ہے۔ محمد ابن تغلق بادشاہ کے وقت میں اس کے سپہ سالار ''ابراہیم'' نے اس کو فتح کیا۔ یہ واقعہ ۱۳۴۰ء کا ہے''۔

(نقش پائیدار تاریخ صوبہ بہار ص 50)

سید ابراہیم کا بہار پر دوسرا حملہ: بہار کے ہندو صوبہ دار راجہ بٹھل کی شکست اور موت کے بعد صوبہ بہار کے ایک بڑے علاقے

پر مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگئی تھی، مگر ابھی بہار میں ایک بڑا طاقتور ہندو حکمراں ''راجہ ہنس کمار'' موجود تھا جو مسلمانوں سے سخت بغض وعناد رکھنے والا اور بڑا متعصب تھا۔ اس کا پایہ تخت رہتاس گڈھ تھا جو آج کل رُہتاس کے نام سے مشہور ہے۔

رہتاس میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ تھا جس میں راجہ ہنس کمار رہتا تھا۔ یہ قلعہ آج بھی رہتاس میں موجود ہے۔ عبدالحلیم خواجہ پوری، مفتی عبدالمتین بہاری، پروفیسر مجیب الرحمٰن، سید قیام الدین نظامی اور ڈاکٹر حسن رضا خاں نے تحریر کیا کہ راجہ ہنس کمار کے ظلم وجبر کی شکایت کئی بار دہلی کے بادشاہ کے دربار میں پہنچ چکی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے نالندہ میں بڑا ظلم ڈھایا۔ نالندہ، بہار شریف سے دکھن چھ میل کے فاصلے پر ایک مشہور مقام ہے جو پرانے زمانے میں بڑگاؤں کہلاتا تھا۔ نالندہ میں بودھ مذہب کی بہت بڑی تعلیم گاہ تھی اور سناتن دھرم ہندوؤں کی ایک بہت بڑی پرستش گاہ تھی۔ راجہ ہنس کمار اکثر وہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ اس وقت وہاں کچھ مسلمان بھی آباد تھے۔

ایک روز بڑگاؤں میں ایک مسلمان عورت نے جس کا نام سیدہ تھا، اس نے اپنے پوتے کی شادی میں ایک گائے ذبح کی۔ راجہ ہنس کمار ان دنوں پوجا کے لیے بڑگاؤں آیا ہوا تھا۔ گائے کی ایک ہڈی چیل یا کوے نے راجہ ہنس کمار کے قریب گرادی۔ پجاریوں نے یہ دیکھ کر راجہ کو خوب ابھارا۔ راجہ متعصب تھا۔ غصہ میں آکر سیدہ کے پوتے کو جو ابھی دولہا بنا ہوا تھا، شہید کردیا۔ مظلوم سیدہ مسلمانوں کی مدد سے سلطان محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کے دربار میں پہنچی اور اپنے پوتے کے بے گناہ قتل کیے جانے کا واقعہ بیان کیا۔

راجہ ہنس کمار کے اس دل ہلا دینے والے ظلم کو بادشاہ برداشت نہ کرسکا اور بے اختیار ہوگیا اور چوں کہ محمد شاہ تغلق علم نجوم کا معتقد تھا، اس لیے اس نے فوراً نجومیوں کو بلا کر دریافت کیا کہ راجہ ہنس کمار کی سرکوبی اور سزا کے لیے کون شخص بہتر رہے گا جس کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بہار بھیجا جائے۔ تمام نجومیوں نے بالاتفاق کہا کہ یہ کام سید ابراہیم ملک بیا سے ہوگا اور یہ روایت بھی تاریخوں میں درج ہے کہ بادشاہ نے جب نجومیوں سے پوچھا کہ راجہ ہنس کمار کی سزا کے لیے کس سپہ سالار کو بہار بھیجا جائے۔ نجومیوں نے کہا کہ تمام سپہ سالاروں کو ایک ایک چراغ دے کر اس کی روشنی میں قرآن مجید تلاوت کرنے کا حکم دیا جائے۔ رات کے کسی حصے میں آندھی آئے گی جس سے تمام چراغ بجھ جائیں گے، مگر اس سپہ سالار کا چراغ جلتا رہے گا جس کے ہاتھ سے بہار فتح ہوگا۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے تمام سپہ سالار رات کو قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہوئے اور سلطان محمد شاہ تغلق خود نگرانی میں رہا۔ رات کو جب آندھی آئی تو تمام چراغ بجھ گئے، مگر سید ابراہیم ملک بیا غازی کا چراغ جلتا رہا۔

بادشاہ نے سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی کو بلایا اور بہار جانے کا حکم دیا اور کہا کہ راجہ ہنس کمار کے ظلم وشرارت کی بار بار شکایت آچکی ہے اور اب اس کے ناحق خون کرنے کی بھی خبر ملی ہے، لہٰذا اس بے گناہ کے خون کا بدلہ لینا بہت ضروری ہے۔

سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی بادشاہ کے حکم کے مطابق لشکر جرار لے کر اپنے اہل خاندان کے ساتھ بہار کی طرف روانہ ہوگئے اور منزل طے کرتے ہوئے جب بہار پہنچے تو معلوم ہوا کہ راجہ ہنس کمار بڑگاؤں (نالندہ) میں ہے۔

سپہ سالار سید ابراہیم نے راجہ ہنس کمار کو کہلا بھیجا کہ تم ابھی فوراً

میرے پاس حاضر ہو جاؤ، ورنہ تم پر حملہ کر دیا جائے گا۔ راجہ نے اس حکم کو نہ مانا۔ آپ نے اس پر حملہ کر دیا اور بڑگاؤں کے سورج پوکھر نامی تالاب کے پاس دونوں لشکر میں جنگ ہونے لگی۔ راجہ ہنس کمار شکست کھا کر اپنی فوج کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگ گیا، مگر آپ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور پانچ مقام پر راجہ اور اس کے لشکر کو گھیرا۔ راجہ ہر جگہ شکست کھاتا ہوا اور اپنی جان بچاتا ہوا رہتاس گڈھ اپنے قلعہ میں پہنچ گیا۔

راجہ پہلے ہی رہتاس گڑھ کے سپہ سالار کو لڑائی کی تیاری کی خبر بھیج چکا تھا، اس لیے قلعہ رہتاس گڑھ میں جنگ کی پوری تیاری تھی۔ سپہ سالار سید ابراہیم ملک بیا غازی راجہ ہنس کمار کا تعاقب کرتے ہوئے جب رہتاس گڑھ پہنچے تو راجہ کی فوج بھی مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں آ گئی۔ دونوں طرف سے فوج آگے بڑھی اور خون ریز جنگ ہونے لگی۔ تلوار بجلی کی طرح چمکنے لگی۔ ہزاروں کے سر جسم سے جدا ہو گئے اور میدان کارزار خون سے سرخ ہو گیا۔ دونوں طرف لڑائی کا پلہ برابر تھا۔

جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر سپہ سالار اعظم ملک بیا غازی نے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا اور دشمن کی فوج پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ راجہ ہنس کمار کی فوج بے ترتیب ہو گئی اور جنگ بڑی شدت کی ہونے لگی۔ راجہ ہنس کمار خود تلوار لے کر میدان جنگ میں کود پڑا۔ ایک بہادر مسلمان سپاہی سے راجہ ہنس کمار کا مقابلہ ہوا۔ اس نے راجہ کو ایسی تلوار ماری کہ راجہ کا سر جسم سے جدا ہو گیا۔ ہندو سپاہیوں کو جب معلوم ہوا کہ ہمارا راجہ مارا جا چکا ہے تو ان کی ہمت پست ہو گئی اور قدم اکھڑ گئے اور وہ لوگ قلعہ کی طرف بھاگے۔

مسلمان فوج اپنے سپہ سالار سید ابراہیم کی قیادت میں قلعہ کے دروازے تک پہنچ گئی اور لڑتی بھڑتی قلعہ کے اندر داخل ہو گئی اور مسلمانوں کے لشکر نے رہتاس گڑھ کے اس عظیم الشان قلعہ پر اپنا جھنڈا لہرا دیا۔ قلعہ کے اندر راجہ ہنس کمار کی فوج نے اسلامی لشکر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح ایک لمبے عرصے کی بڑی خون ریز جنگ کے بعد قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور صوبہ بہار سے ہندوؤں کی سب سے بڑی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

(تاریخ ملک ص 41-42 شرفا کی نگری ص 122 تاریخ بارہ گاواں ص 19 تحفہ بہار ص 20-21 پاسبان ملت ص 23)

سپہ سالار اعظم کی شہادت: جب قلعہ رہتاس گڑھ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا، جنگ ختم ہو گئی اور ہر طرف امن وامان کا ماحول پیدا ہو گیا۔ اب کسی طرح کا کوئی خوف یا خطرہ نہیں رہا تھا، اسی درمیان سپہ سالار اعظم سید ابراہیم ملک بیا غازی قلعہ سے باہر آ رہے تھے اور راجہ ہنس کمار کی فوج کے چند سپاہی گھات لگا کر چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ سالار اعظم سید ابراہم کو آتا دیکھ کر ان لوگوں نے بے خبری میں اچانک آپ پر حملہ کر دیا جس سے آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔

(تحفہ بہار ص 23 تاریخ ملک ص 44 تاریخ بارہ گاواں ص 19 شرفا کی نگری ص 122)

ملک بیا غازی نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے بہار پیر پہاڑی پر دفن کیا جائے جہاں حضرت سید احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا روضہ مبارکہ ہے، اس لیے رہتاس گڑھ سے فاتح بہار کی نعش مبارک

بہار لائی گئی۔

(تحفہ بہار 23 تاریخ ملک ص 44)

اس میں مہوری قوم نے بھی شرکت کی۔

(تاریخ ملک: ص 39)

مخدوم بہار حضرت شیخ شرف الدین احمد علیہ الرحمۃ والرضوان (۶۶۱ھ-۷۸۲ھ) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو بہار پیر پہاڑی کی چوٹی پر دفن کیا گیا۔

سلطان فیروز شاہ تغلق بادشاہِ ہند (۱۳۰۹ء-۱۳۸۸ء) نے آپ کا عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا جو آج تک جوں کا توں موجود ہے اور آپ کے مقبرہ میں پتھر کے تین کتبہ لگوائے جن میں فارسی زبان میں چھ چھ اشعار کی نظم لکھی ہوئی ہے۔

(مفتاح التواریخ ص 90 پاسبان ملت ص 25-26 تحفہ بہار ص 24-25 تاریخ ملک ص 45-46-47 حیات اعلیٰ حضرت: ص و)

دو کتبہ آج تک مقبرہ میں موجود ہے۔ ایک کتبہ جو مقبرہ کے صدر دروازے پر تھا، دیوار بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے گر گیا تھا، انگریزی حکومت نے اسے کلکتہ کے انڈین میوزیم (جادو گھر) میں لے جا کر رکھ دیا۔

(تاریخ ملک ص 47 ماہنامہ اشرفیہ فروری ۱۹۷۷ء تحفہ بہار ص 26 پاسبان ملت ص 25)

راجہ ہنس کمار کا سر اور اس کے مارے جانے والے سپاہیوں کا زنار جس کا وزن سوا من تھا، مقبرۂ ملک بیا غازی کے احاطہ کے باہر دکھن جانب مغربی سمت ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ یہ کنواں آج بھی موجود ہے اور ''منڈ مالا'' کے نام سے مشہور ہے۔ آج کل اس کا منہ ایک پتھر سے ڈھکا ہوا ہے۔

(تاریخ ملک ص 44)

مشہور مؤرخ طامس ولیم بل نے لکھا: ''در بہار بفاصلہ یک کروہ مغرب از شہر کوہے است خورد کہ آں را پیر پہاڑی می گویند، بالائے آں کوہچہ مزار ملک ابراہیم بیو کہ در زمان سلطان فیروز شاہ دہلوی فوت کردہ، موجود است۔ وفاتش در سنہ ۷۳۵ھ ہفت صد و پنجاہ و سہ بوقوع آمدہ وایں تاریخ بر تربت او مرقوم است۔''

(مفتاح التواریخ ص 90)

ترجمہ: بہار میں شہر سے پچھّم ایک کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے پیر پہاڑی کہتے ہیں۔ اس پہاڑی پر ملک ابراہیم بیو جنہوں نے سلطان فیروز شاہ دہلوی کے زمانے میں وفات پائی ہے، کا مزار موجود ہے۔ ان کی وفات سات سو ترپن ہجری میں واقع ہوئی اور یہ تاریخ ان کی قبر پر لکھی ہوئی ہے۔

محمد شاہ تغلق (۱۲۰۹ء-۱۳۵۱ء) یکم فروری ۱۳۲۵ء سے ۲۰/مارچ ۱۳۵۱ء تک تخت شاہی پر جلوہ افروز رہا۔ محمد شاہ تغلق کی موت کے بعد اس کا چچازاد بھائی سلطان فیروز شاہ تغلق (۱۳۰۹ء-۱۳۸۸ء) ۲۳: مارچ ۱۳۵۱ء سے ۲۰/ستمبر ۱۳۸۸ء تک بادشاہ ہند رہا۔ سید ابراہیم ملک بیا غازی قدس سرہ العزیز کی وفات ۱۳/ذی الحجہ ۷۵۳ھ کو ہوئی۔ انہوں نے محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق دونوں کا زمانہ پایا۔ محمد شاہ تغلق ۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ تک ملک ہند کا بادشاہ رہا۔ اس کے بعد فیروز شاہ تغلق بادشاہ ہوا۔

خاندان ابراہیمی کے روشن ستارے: خاندان ملک بیا میں

بہت سے یکتائے روزگار علمائے کرام، بلند مرتبہ دانشوران وسیاست داں اور بہت سے نامور افراد وبلند رتبہ اشخاص پیدا ہوئے۔ان تمام کا احاطہ بہت مشکل ہے۔ ان میں سے بعض مشاہیر کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) صدر مملکت مغلیہ، مجدد صدی دوازدہم، قاضی القضاۃ حضرت علامہ محبّ اللہ بہاری، ''صاحب سلم العلوم'' و''مسلم الثبوت'' (م ۱۱۱۹ھ مطابق ۱۷۰۷ء)

(۲) پروفیسر عبدالباری لیڈر لبرل یونین جمشید پور (ٹاٹا) (۱۸۹۲ء-۱۹۴۷ء)

(۳) بیرسٹر محمد یونس سابق وزیر اعظم بہار (۱۸۸۴ء-۱۹۵۲ء)

(۴) خلیفۂ اعلیٰ حضرت، ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری، فاضل ومفتی منظر اسلام بریلی شریف (۱۸۸۰ء-۱۹۶۲ء)

(۵) پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر احمد حلیم، سابق پرووائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وسابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی وکراچی یونیورسٹی (پاکستان) (۱۸۹۷ء-۱۹۷۵ء)

(۶) حضرت مولانا قمر الدین نعیمی مرحوم خانقاہ شدن پور (نوادہ، بہار)

(۷) حضرت مولانا جمال الدین مرحوم کمہر انواں ضلع نوادہ (بہار) بانی مدرسہ جمالیہ کلکتہ

(۸) حضرت قای سید ابو الہاشم اشرفی مرحوم موضع بین (نالندہ) (۱۹۰۲ء-۱۹۸۱ء)

(۹) حضرت مولانا عبد الشکور شمسی گیاوی موضع ببھنور ضلع نوادہ (بہار) (۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۷ء)

(۱۰) حضرت مولانا سید اکمل الدین حیدر (پٹنہ) (م ۲۰۰۳ء)

(۱۱) شہزادۂ ملک العلماء، پروفیسر مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبہ اسلامیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) وسابق وائس چانسلر مظہر حق عربی وفارسی یونیورسٹی (پٹنہ) (۱۹۱۷ء-۲۰۱۰ء)

(۱۲) پیر طریقت، خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت علامہ سید سراج اظہر قادری رضوی (پھول گلی، ممبئی) (۱۹۵۱ء-۲۰۱۹ء)

(۱۳) مسٹر سلیم ملک سابق کپتان انٹرنیشنل کرکٹ ٹیم (پاکستان)

(۱۴) حضرت علامہ حافظ شبیر ملک مصباحی (کلکتہ)

منقبت شریف

از۔منصور محؔور، دیہہ پور ،کھیری ٹاؤن ۔کھیری

جو فدائے سیدالشہداء نہیں
وہ نبی کا اور اللہ کا نہیں

ظلم کیا کیا کربلا میں ہو گئے
ننّھے ننّھے بچوں کو بخشا نہیں

جو ادا ہو تیغ کے سائے تلے
دو جہاں میں ایسا تو سجدہ نہیں

نو جوانِ خلد کے سردار ہو
تم سا کو ئی افضل و اعلیٰ نہیں

گھر کا گھر راہِ خدا میں دے دیا
مومنوں! شبّیر سا داتا نہیں

خود فنا ہو کے بقا دی دین کو
دین سے تم سا وفا والا نہیں

خطبۂ زینب نے ثابت کر دیا
حق پہ باطل کا چلا سکّہ نہیں

جو حسینی یاد سے غافل کرے
زندگی میں آئے وہ لمحہ نہیں

تیرے، میرے، ہاں سبھی کے ہیں حسین
شمس محؔور ایک کا ہوتا نہیں

تہذیبِ ہند پر اسلام کے انمٹ نقوش

از۔مولانا آصف جمیل امجدی

ہندوستان مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کا گہوارا ہے جہاں برسہا برس سے مختلف اقوام کے لوگ بنا کسی بھید و بھاؤ کے آپسی اخوت و محبت سے سکونت اختیار کئے ہوئے تھے۔ ہمہ وقت یہاں بھائی چارگی پر مشتمل تہذیب کی ندیاں بہتی تھیں۔ شادی بیاہ سے لے کر ایک دوسرے کی ذاتی و معاشرتی تقریبات میں خلوص و محبت کے ساتھ شامل ہوکر خوشی وغم میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہاں کی بھائی چارگی و یگانگت والی تہذیب پر جاہل قسم کے غیر مسلموں نے کٹر پنتھی فکر کو دمسلط کر دیا اور جگہ جگہ مسلمانوں کو نشانہ پر لینے لگے۔ مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی تنظیمیں اور تحریکیں تشکیل کر لی گئیں۔ جس سے کہ قوم مسلم کو حراساں وظلم و جبر کرنے میں آسانی پیدا ہوا اور وقتاً فوقتاً تنظیم سے مدد بھی ملتی رہے۔

آزادی ہند کے بعد سے کچھ سال تک یہاں کے حالات کافی حد تک بہتر تھے۔ لیکن آر ایس ایس کے زہریلے خمیر سے نکلنے والی بی جے پی جب سے اقتدار میں آئی ہے مسلم دشمنی کھل کر سامنے آ گئی۔ دن بدن اس کی لو تیز ہوتی جاری ہے یہاں تک کہ حالات یہ بن گئے کہ نہ تو مسلمانوں کی مذہبی عمارات محفوظ رہیں، نہ ہی ان کی ذاتی جائیداد (دوکان و مکان وغیرہ) اور نہ ہی ان کی عزت و آبرو۔ غیر مسلموں کے چھوٹے سے چھوٹے تہوار میں بھی مسلمانوں کو ان کی جان و مال کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آب لینچنگ میں بہت سے مسلمانوں کو بنا کسی وجہ کے بے دردی سے قتل کر ڈالا گیا، گئو کشی کے نام پر سیکڑوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ نیز کووڈ 19 میں مسلمانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا تھا وہ بھارت کی پیشانی پر آج بھی ایک بدنما داغ بنا ہوا ہے۔ یہاں کے سماجی عدل وانصاف کا توازن بالکل مسخ کر دیا گیا۔ جمہوریت کا جنازہ نکال دیا گیا۔ صدیوں پرانی بھائی چارگی والی تہذیب کا ملیا میٹ کر ڈالا گیا، بھارتی مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کسی سے مخفی نہیں۔ اب تو حال یہ ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی مساجد اور مدارس بھی محفوظ نہیں۔

کیا یہ کسی جمہوری ملک کی تہذیب ہے کہ تہوار وجلوس میں ننگی تلواریں، دھاردار آلے لے کر اور اشتعال انگیز وتوہین آمیز مسلم مخالف نعرے لگاتے ہوئے نکلا جائے اور ایک مخصوص مذہب کے خلاف ہڑ دنگ مچایا جائے؟ ان کی عبادت گاہوں میں توڑ پھوٹ مچائی جائے اور پھر ان پر اپنے مذہبی جھنڈے نصب کئے جائیں؟ حد تو اس وقت ہوگئی جب یہ ننگا ناچ حکومت ہند کی پشت پناہی اور آزاد و جمہوری ملک کی پولیس فورس کے سامنے ناچا جا رہا تھا۔

لیکن اسی سرزمین پر مختلف مذاہب کے مابین ایک بڑا ہی صاف وشفاف پاکیزہ مذہب ''دین اسلام'' ہے جس کا پیغام ہر آن امن و امان کا ہے اور دنیا بھر کے مسلمان اس کے پیغام کو عمل میں لاتے ہیں۔ دنیا کا ہر گوشہ خاص کر بھارت ملک کا ہر ہر ذرہ گواہ ہے

کہ یہاں پر صدیوں سے نکلنے والے اسلامی جلوس خواہ وہ جلوس محمدی ہو کہ جلوس غوثیہ۔جلوس امام عالی مقام ہو یا پھر کسی اللہ والے کے عرس کا جلوس۔مسلمان نہایت ہی امن وامان کے ساتھ مذہبی لباس و رنگ میں یہ سارے جلوس نکالتے ہیں۔ان جلوسوں میں مسلمانوں نے کسی خاص مذہب وکمیونٹی کو نشانہ کبھی نہیں بنایا اور نہ ہی اپنے مذہب سے ہٹ کر کوئی اور نعرے بازی کی۔مسلمانان ہند نے اپنے ان جلوسوں کے درمیان کبھی بھی کسی دیگر مذہب کی عبادت گاہوں کو ٹھیس نہیں پہونچائی۔

مسلمانان ہند اجتماعی طور پر عیدین کے موقع پر عظیم الشان انداز میں نماز عید ادا کرتے ہیں۔شہروں میں تو ہزاروں لاکھوں کا کہیں کہیں عیدگاہوں میں مجمع ہوتا ہے۔اسی طرح سرزمین ہند پر بہت سارے اللہ کے ولی وہ ہیں کہ جن کے عرس نہایت ہی عظیم الشان ہوتے ہیں۔جہاں پر لاکھوں لوگ آتے ہیں۔مگر تاریخ ہند کا کوئی ایک ایسا واقعہ بھی بتادیں کہ جب ان عظیم الشان مسلم اجتماعات میں کوئی گڑبڑی ہوئی ہو۔یا مسلمانوں نے اپنی کثرت پر ناز کرتے ہوئے غیر مسلم بستیوں، مارکیٹوں، بازاروں یا ان کی عبادت گاہوں پر حملے کئے ہوں یا ہڑدنگ مچایا ہو۔سکون کے ساتھ لوگ آتے ہیں اور اپنی تقریب کے اختتام پر نہایت ہی امن وامان کے ساتھ ذرا سی دیر میں ہی روڈوں کو خالی کر کے چلے جاتے ہیں۔

اسی عیدالفطر کی نماز کو مثال کے طور پر لے لیجئے جو 11 اپریل 2024ء کو ادا کی گئی۔ایک اندازے کے مطابق خالص بھارت میں بیس کروڑ سے زائد مسلمانوں نے مساجد اور عیدگاہوں میں نماز عیدالفطر ادا فرمائی۔بغیر کسی نعرہ بازی کے اور بنا کسی مندر کی طرف آنکھ اٹھائے اور بغیر کوئی دھار دار آلہ لئے امن وامان اور چین وسکون کے ساتھ سچے وفادار بھارتی بن کر اپنے اپنے گھروں کو واپس آگئے۔

یہ اسلامی تہذیب ہی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے بے شمار مذہبی تہواروں اور دیگر تقریبات میں مسلمانان ہند اپنے ملک میں امن وشانتی قائم رہنے کی دعائیں کرتے ہیں اور انتظامیہ، پولیس فورس وغیرہ کا پورے طور پر ساتھ دیتے ہیں۔کیونکہ مسلمانوں کا مذہب انہیں شائستگی کے ساتھ اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی معمولات کو مذہبی جذبہ کے ساتھ ادا کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔وہ ان کاموں کو نیکی اور ثواب حاصل کرنے کے لیے انجام دیتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ جب کوئی کام نیکی وثواب کے لیے کیا جاتا ہے تو اس میں انسان نہایت ہی پاکیزہ ذہنی اور خوب خشیت الٰہی کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔مسلمان تو اپنے ان معمولات کو انجام دینے کے لیے اپنے جسم کو بھی پاکیزہ کرتے ہیں اور اپنے کپڑوں کو بھی۔وہ غسل ووضو کر کے پاک وصاف انداز میں ان تقریبات کی انجام دہی کرتے ہیں۔جہاں ذہن ودماغ بھی پاکیزہ ہو، جسم بھی پاک ہو اور کپڑے بھی پاک وصاف ہوں تو پھر ان کے ذہن میں خرافات کیسے جنم لے سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تقریبات میں ایک عجب قسم کی روحانیت اور شفافیت دکھائی دیتی ہے۔اگرچہ اِدھر کچھ سالوں سے مسلمانوں کے کچھ جلوسوں میں بدعنوانیاں پائی جارہی ہیں مگر ان کا تعلق صرف مذہبی اصولوں کی نافرمانی کی سطح تک ہے اور ان غیر شرعی بے راہ روی کی وجہ سے ملک کے امن وامان میں کوئی ایسا خلل بھی نہیں پڑتا کہ جو ملکی قوانین کی خلاف ورزی پر مشتمل ہو۔

آئینۂ منظر اسلام

وہ منظر اسلام جسے سرکارِ اعلیٰ حضرت نے ایک آل رسول کی فرمائش پر ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں شہرستانِ عشق ومحبت بریلی شریف کی سرزمین پر قائم فرمایا۔

وہ منظر اسلام جس کی بے مثال تعمیر وترقی اور عظمت و رفعت حضور حجۃ الاسلام کی ارفع و اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے گلشن علم وحکمت کی لازوال تروتازگی وشادابی میں سرکار مفتیٔ اعظم ہند کا علمی وروحانی تصرف ہمہ وقت کارفرما ہے۔

وہ منظر اسلام جس کی رعنائیاں اور تابانیاں سرکار مفسر اعظم ہند کے بے مثال ایثار وقربانی اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وہ منظر اسلام جس کی عالمی شہرت اور مرکزی حیثیت حضرت ریحان ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک روشن ومنور نمونہ ہے۔

وہ منظر اسلام کہ شاہ راہ ترقی پر جس کی تیز گامی میرے والد محترم حضور صاحب سجادہ کی پر عزم، مستحکم اور مخلصانہ قیادت ونظامت کی درخشاں ودیدہ زیب تصویر ہے۔

وہ منظر اسلام جو ماضی قریب کے اکثر اکابر اہل سنت کا قبلہ علوم وحکمت ہے۔

وہ منظر اسلام جس نے قوم وملت کو "تحریک تحفظ ناموس رسالت" اور "تحریک تحفظ عظمت اولیا" کے بے شمار جانباز سپاہی عطا فرمائے۔

وہ منظر اسلام جو دینی وعصری علوم وفنون کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات کی ترسیل وتبلیغ، عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عروج وارتقا کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے فارغین کی ایک عظیم جماعت عالم سنیت کے خطہ خطہ میں مذہب ومسلک کی بے لوث خدمت کرنے میں مصروف کار ہے۔

وہ منظر اسلام جو اپنے تابناک ماضی کی ضیا بار کرنوں کی روشنی میں اپنے روشن ومنور مستقبل کے خطوط متعین کرکے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ہاں! یہی منظر اسلام آج آپ کے جذبہ ایثار وتعاون کو آواز دے رہا ہے۔ آئیے! اور اس کے عروج وارتقا کے لئے دل کھول کر حصہ لیجئے تاکہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم ادارے کا یہ علمی وروحانی قافلہ یوں ہی اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا رہے۔

فقیر قادری محمد احسن رضا

سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY
(M) 9319623903, 8548639384

Monthly "Aala Hazrat" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P BR-175/2024-25
PUBLISHING DATE : 14th
POSTING DATE : 18th] EVRY ADVANCE MONTH
PAGES : 84 PAGE WITH COVER WEIGHT :100 GRM

₹ 35/-
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)
June-July 2024

دعوت خیر

طالبان علوم نبویہ کے قیام وطعام، منظر اسلام کے تمام شعبوں کے عروج وارتقا، دارالافتا کے عمدہ واحسن انتظام، لائبریریوں کی آرائش وزیبائش، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی مسلسل اشاعت، رضا مسجد کی زیب وزینت، خانقاہ رضویہ کی تب وتاب اور عرس رضوی کے وسیع انتظامات میں دل کھول کر حصہ لیں ۔

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press, Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)